Shia Books PDF منظر ایلیاء

Moulana Manzar Aeliya 9391287881,
Moulana Naser Jaffery 9963049752
Hyderabad Inidia

کسے خبر تھی کہ لے کر چراغِ مصطفویؐ ؛ جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

پیاس کا مدفن
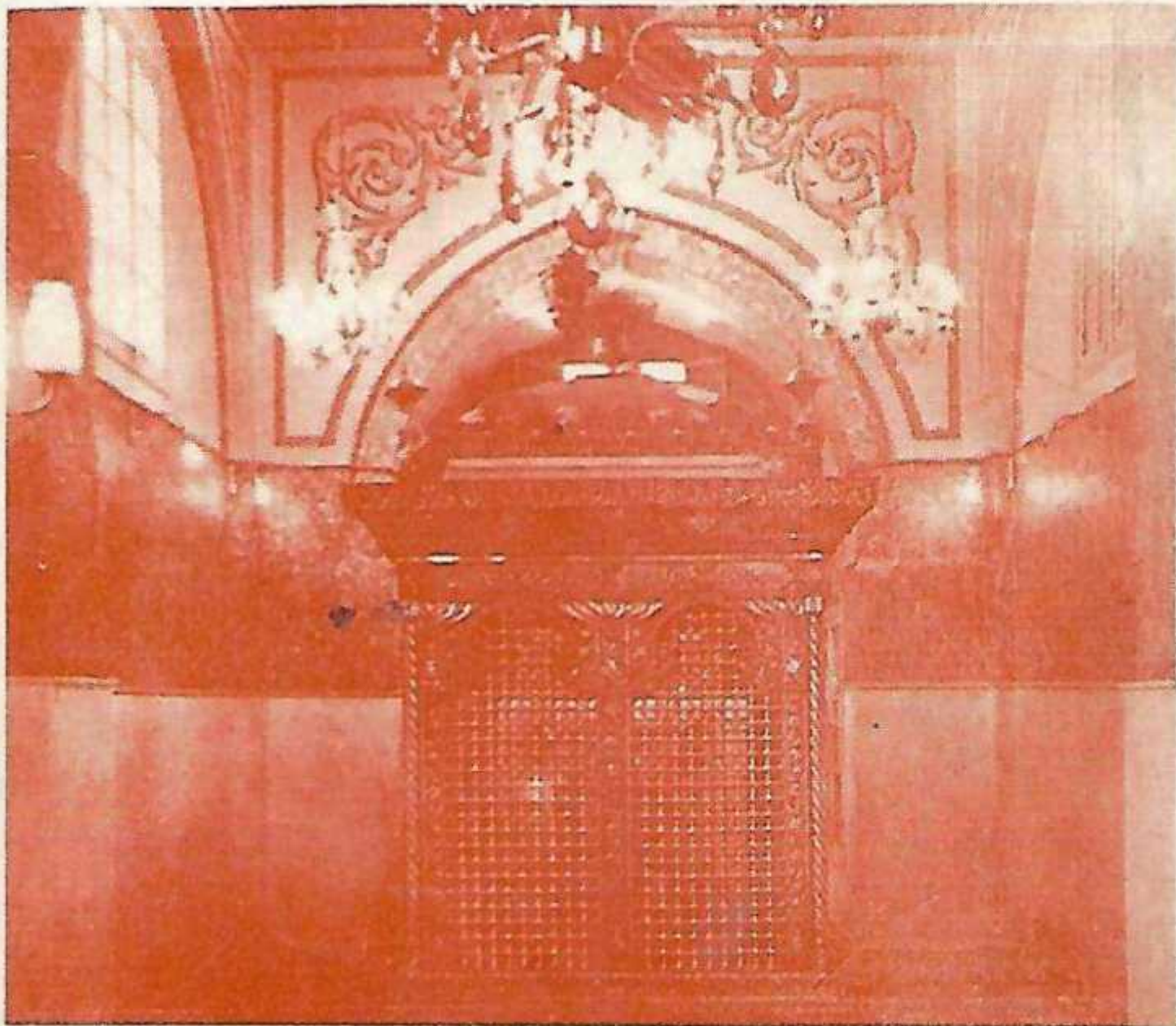
حالات و واقعات شہزادی سکینہ بنت الحسین سلام اللہ علیہا

(جواب کتاب "مظلوم باپ کی مظلوم بیٹی")

مولانا رضا مہدی صاحب قبلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیاس کا مدفن

حالات مظلومہ کربلا حضرت سکینہ بنت الحسین سلام اللہ علیہا)

مولانا رضا مہدی صاحب قبلہ

حسینی مشن پبلیکیشنز

نام کتاب : "پیاس کا مدفن"
نام مصنف : مولانا رضا مہدی صاحب قبلہ
خلف مولانا مرزا مہدی حسین ذاکر قبلہ اعلی اللہ مقامہ
سنہ اشاعت : جنوری ۱۹۹۷ عیسوی
بار اول : ایک ہزار
سرورق : جناب سلطان رضا قلی مرزا، آرکیٹکٹ
کمپیوٹر کتابت : جناب جلال الدین اکبر
"اردو کمپیوٹر سنٹر" فون : 4530850
17-1-181/M/35 روبرو جامعہ عائشہ نسوان
داراب جنگ کالونی - مادنا پیٹ - حیدرآباد ۵۰۰۰۵۹
طباعت : ایس کے پرنٹرس
قیمت : -/30 روپئے

===== ناشر =====

حسینی مشن پبلیکیشنس
حسینی مشن حیدرآباد 21-2-22 دبیرپورہ - حیدرآباد

ملنے کے پتے

(۱) رضا مہدی 21-2-22 دبیرپورہ، حیدرآباد ۲۴
(۲) زینب بک ہاؤس، روبرو عبادت خانہ حسینی دار الشفاء - حیدرآباد
(۳) مکتبہ ترابیہ - پرانی حویلی - حیدرآباد
(۴) سلمان بک سنٹر - روبرو عبادت خانہ حسینی دار الشفاء - حیدرآباد

سرورق شبیہ مبارک مرقد منور جناب سکینہ سلام اللہ علیہا (شام)

فہرست عنوانات

صفحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدا کا شکر ہے کہ اس مختصر سی کتاب کے ذریعے ہم نواسۂ رسول
شہید کربلا امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی جناب سکینہ بنت
الحسین سلام اللہ علیہا کے حالات کو جو تاریخ و سیر کی مختلف کتابوں میں
الگ الگ بکھرے ہوئے ہیں اپنی بساط علمی کے مطابق بعض اہم
عنوانات کے تحت تسلسل کے ساتھ ایکجا کرکے پیش کرنے کی
سعادت حاصل کررہے ہیں - اس سے پہلے کسی نے اس اہم ضرورت
کی طرف توجہ نہیں کی - اس لئے ہماری معلومات کی حد تک یہ
مختصر سی کتاب، اپنے موضوع پر پہلی کتاب کہلانے کی مستحق ہو سکتی
ہے - اس اہم ضرورت کی طرف ہمیں مولوی سید مہدی علی رضوی
صاحب مدظلہ نے متوجہ کیا اور اس کتاب کے لکھوانے کے محرک بنے
اور ہم لوگوں نے اس آرزو اور خواہش کے ساتھ اس کام کو شروع کیا کہ
اگر یہ کام خاطر خواہ طریقے پر مکمل ہوجائے تو ممکن ہے کہ بارگاہ رب
العزت میں قبولیت کا باعث بھی ہوجائے اور ہماری بخشش کا وسیلہ
بھی بن جائے - یا رحیم، یا کریم، یا ستار، یا غفار
امام حسین ابن علی کی مظلوم صاحبزادی، جناب سکینہ بنت

الحسین سلام اللہ علیہا کے وسیلے سے، ہماری اس ناچیز کوشش کو قبول
فرمالے اور اپنی رحمت کاملہ کے تصدق سے اسے ہماری اور ہمارے
والدین اور ہمارے مرحومین کی بخشش و نجات آخرت کا صلہ قرار
دے دے - اپنے نامہ اعمال کی کوتاہیوں سے خوفزدہ ہمارے دلوں
کے لئے، یاس و ناامیدی کے اندھیروں میں، تیری رحمت بے پایاں
کی طرف بلانے والا تیرا ہی یہ ارشاد ہماری امیدوں اور آرزوؤں کا واحد
سرمایہ ہے - یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسہم ○ لاتقنطوا
من رحمت اللہ ○ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا ○ واللہ رؤف
بالعباد - (اے میرے گناہ گار بندو - اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو -
بے شک اللہ اگر چاہے گا تو تمہارے تمام گناہوں کو بخش دے گا - اللہ
کو اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ہے - اللہم صلی علی محمد
وآل محمد -

عرض مؤلف

حال ہی میں ایک کتاب "حضرت سکینہ علیہ السلام، مظلوم باپ کی مظلوم بیٹی" مرتبہ سید محمد باقر النقوی، مولفہ سید علی حیدر صاحب، جعفری سوسائٹی مقبرۂ عالیہ گولہ گنج لکھنو کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے۔ اور تاریخ اشاعت کے بارے میں لکھا ہے۔ باردوم ۱۹۹۶ء

یہ کتاب اس سے پہلے بھی تقریباً ساٹھ ستر برس قبل اس وقت شائع ہوئی تھی جب خاندان رسالت کے دشمن مشہور ناصبی عبدالحلیم شرر نے اپنی ناول نما کتاب "سکینہ بنت حسین" شائع کی تھی۔ اور اس کتاب میں جناب سکینہؑ سے منسوب کر کے واقعہ کربلا کے وقت آپ کی زیادہ عمر اور بعد واقعہ کربلا مدینہ واپس آنے کے بعد آپ کی پر تعیش زندگی اور یکے بعد دیگرے کئی عقد اور دیگر فضول و بیہودہ فرضی واقعات لکھے تھے۔ جس کے جواب میں بہت سی کتابوں کے علاوہ فخرالحکماء مولانا سید علی اظہر صاحب قبلہ کی کتاب "جواب شرر" اور سید محمد حیدر صاحب کی کتاب "رفع شر" بھی شائع ہوئی تھیں اور "جواب شرر" میں مولانا سید علی اظہر صاحب قبلہ نے مدلل و بسوط انداز میں "شر شرر" کے دفع کرنے کے لئے مستند تواریخ و کتب سیر کے بے شمار

حوالے پیش کئے تھے اور اس بات کو ثابت کیا تھا کہ جناب سکینہؑ واقعہ کربلا کے وقت کمسن تھیں اور بہ حالت اسیری شام میں ہی آپ کا انتقال ہوگیا۔ اب ظاہر ہے کہ جہاں انتقال ہوا وہیں تدفین بھی ہوئی فخرالحکماء کی اس کتاب "جواب شرر" کے آخر میں یہ کتاب "حضرت سکینہ مظلوم باپ کی مظلوم بیٹی" بھی شامل کی گئی تھی۔ جس کے بعض غلط اندراجات یعنی واقعہ کربلا کے وقت حضرت سکینہ کی زیادہ عمر اور واقعہ کربلا کے بعد ۱۱۷ھ میں طبعی طور پر مدینے میں آپ کی رحلت وغیرہ کی تصحیح فخرالحکماء کی کتاب "جواب شرر" کے ذریعہ ابتدائی صفحات میں ہی ہوگئی تھی۔ ایسے ہی بعض غلط اندراجات اور بہت سی غیر ضروری ناگوار بحثوں کی وجہ سے یہ کتاب "حضرت سکینہ مظلوم باپ کی مظلوم بیٹی اس وقت بھی قابل قبول نہیں سمجھی گئی تھی۔ اس کتاب کے آخری چھ صفحات میں جو حالات و واقعات تحریر کئے گئے ہیں وہ ان واقعات و حالات کے بالکل برعکس ہیں جو تاریخ و سیر کی مستند کتابوں اور علماء مذہب حقہ کی تحقیق سے ثابت ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ کتاب بھی سیدالشہداء امام حسین علیہ السلام کی اس کمسن و مظلوم صاحبزادی جناب سکینہ سلام اللہ علیہا کی بہ حالت کمسنی، مظلومانہ شہادت کو چھپانے کی ایک اور کوشش کے مصداق ہی قرار پاتی ہے۔

اس پوری کتاب میں جناب سکینہ کے مصائب کے بارے میں مولف نے ایک آدھ مختصر واقعے کے سوا کسی کا ذکر نہیں کیا۔ زندان شام میں جناب سکینہ کی شہادت کے واقعے کا بھی مؤلف نے انکار کیا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ کتاب ذہنوں کو گمراہ کرنے کی ایک اور کوشش ثابت ہوتی ہے۔

ان ہی تمام حقائق پر نظر کرنے کے بعد، احقر نے اپنی بے بضاعتی و کم علمی کے احساس کے باوجود، اس مختصر سی کتاب کے ذریعے کوشش یہ کی ہے کہ انتہائی احتیاط کے ساتھ جناب سکینہ بنت الحسینؑ سلام اللہ علیہا کے جتنے بھی حالات و واقعات مستند تواریخ و مقاتل اور معتبر علمائے مذہب حقہ کی کتابوں میں ملیں، وہ سب ایکجا کرکے شائع کر دیئے جائیں تاکہ علمائے مذہب حقہ کے محفوظ کئے ہوئے مسلمہ حقائق و عقائد مستحکم طریقے سے عوام الناس تک بھی پہونچ جائیں اور پھر کسی کے لئے بھی شہزادی سکینہؑ کے حالات و شہادت کے بارے میں بے بنیاد گفتگو کی گنجائش نہ رہے۔

واقعہ کربلا کا پس منظر

امام حسین علیہ السلام کی عزیز ترین صاحبزادی جناب سکینہ بنت الحسین سلام اللہ علیہا کی مختصر سی حیات کا زمانہ چار سال سے زیادہ

ہیں اور آپ کے جتنے بھی حالات و واقعات تاریخ و سیر کی کتابوں میں ملے ہیں، وہ سب واقعہ کربلا سے متعلق ان لرزہ خیز مظالم پر شامل ہیں جو رسول خدا کی اس مظلوم پوتی پر اس کمسنی میں ڈھائے گئے۔ ممکن ہے کہ اس کتاب کے بعض پڑھنے والے، واقعہ کربلا کے حقیقی پس منظر سے واقف نہ ہوں یا بنی امیہ کے ظالم و جابر بادشاہوں کے خوشامدی، نام نہاد مسلم مورخین کے گمراہ کن پروپیگنڈے کا شکار ہوں۔ اس لئے جناب سکینہ بنت الحسینؑ کے حالات کو بیان کرنے سے پہلے ہم مختصر طور پر واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر بھی مستند علماء کی کتابوں کے حوالے سے بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

فخر موجودات، باعث ایجاد کائنات، پیغمبر اسلام حضور کریم حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد خاندان رسالت کے ساتھ جس دشمنی اور عداوت کا مظاہرہ کیا گیا، اس کی پوری تفصیل تاریخ و سیر اور حدیثوں کی مستند کتابوں میں موجود ہے بعد رسولؐ، اہل بیت رسولؐ کے لئے یہ تصفیہ کیا گیا کہ "نبوت اور خلافت، دونوں عہدے خاندان رسالت میں جمع نہ ہونے پائیں۔"

(تاریخ کامل و شرح نہج البلاغہ)

اس کی مصلحت یہ تھی کہ جب اختیار کے ذرائع نہ رہیں گے تو
اپنے دور کے یہ بہترین افراد، یہ اہل بیت پیغمبر، دیگر غیر اہم و ناقابل
ذکر شخصیتوں کی طرح گمنامی کے اندھیروں میں پوشیدہ ہو جائیں گے
اور ان کے مقابل جو موقع پرست و قابو یافتہ افراد تھے وہ دینی و دنیوی
قیادت کے دعوے کے لئے "امیر المؤمنین" اور "خلیفۃ المسلمین"
جیسے القاب اختیار کرنے کے قابل ہو سکیں گے اور اپنی مرضی کے
مطابق "اسلام" رائج کر سکیں گے۔ مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ

"رسول مقبول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
وفات کے بعد ہی اسلام کا رنگ اور نقشہ ایسا بدلا کہ چند ہی دنوں میں
وہ اسلام جو روحانیت کا معدن اور منبع تھا اور دنیا میں الٰہیات کی تعلیم
کے لئے قائم کیا گیا تھا، نفسانیت، خود غرضیوں اور سیاست کی جولانگاہ
بن گیا۔ اسلام کی قیادت ایسی ہستیوں میں منتقل ہو گئی جنھوں نے
روحانیت، تعلیم قرآن، تعلیم رسولؐ کو پس پشت ڈال کر، سیاست،
ملک گیری، دنیاداری، حصول اقتدار اور دنیوی شان و شوکت کو ہی اپنا
نصب العین قرار دے لیا اور اپنے حصول مقاصد کے لئے وہ سب کچھ
کر گزرے جو دنیا کے جابر سلاطین اور ظالم صاحبان اقتدار ہر زمانے میں
کئے اور آج بھی کر رہے ہیں۔ ان نام نہاد قائدین کا یہ مسلک، بظاہر

مسلمانوں کی دنیوی حیثیت سے ترقی اور عروج کا باعث تو ہوا لیکن
اسلام کی صحیح تعلیم اور اس کی صورت مسخ ہو گئی اور ایسی مسخ ہوئی کہ
پھر ایک اسلام دوبارہ اپنی اصلی صورت میں نظر نہ آسکا۔"

(مقدمہ ترجمہ بحار الانوار ج ۱، ص ۳)

حقیقی اسلام کے حامل و محافظ، اہل بیت رسولؐ کی محبت و
مودت ان سے نیک سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی کی اہمیت کیا
ہے۔ اس کے متعلق امام فخرالدین رازی، تفسیر کبیر میں اور امام ثعلبی
تفسیر ثعلبی میں اور امام احمد، طبرانی، امام حاکم اور طبری، سب کے سب
مودت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "جب یہ آیت، قل لا
اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ ○

(سورۂ شوریٰ آیت ۲۳)

(ترجمہ: کہہ دو اے رسول میں اپنی تبلیغی محنتوں کی مزدوری
تم سے کچھ بھی نہیں مانگتا۔ سوا اس کے کہ تم میرے قرابت داروں سے
محبت رکھو) نازل ہوئی، تو اس کی تفسیر کے بارے میں یہ تمام
مفسرین و محدثین (حضرت عبداللہ ابن عباس کی زبانی) بیان کرتے
ہیں کہ، صحابہ کرام میں سے کچھ لوگوں نے سوال کیا "یا رسول اللہ، آپ
کے وہ کون سے قرابت دار ہیں، جن کی محبت و مودت کو اس آیت کے

ذریعہ ہم پر واجب قرار دیا گیا ہے۔ اور آپ کی تبلیغی محنتوں کا معاوضہ قرار دیا گیا ہے۔

آپ نے فرمایا "وہ علی، فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ ہیں۔ اور ان ہی کی محبت و مودت میری تبلیغی محنتوں اور مشقتوں کی مزدوری ہے۔" علامہ ابن حجر اور دوسرے علماء و محدثین لکھتے ہیں کہ واجب نمازوں کے دوران تشہد میں درود پڑھنا واجب ہے۔ اور یہ درود (یعنی محمدؐ و آل محمدؐ کے لئے دعائے رحمت) صرف حضور کریمؐ اور آپ کے اہل بیت ہی کے لئے ہے۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

یااهلبیت رسول الله حبکمه
فرض من الله فی القران انزله

یکفیکم من عظیم القدر انکم
من لمه یصل علیکم لا صلواة له

(یعنی اے اہل بیت رسول تمہاری محبت اللہ نے فرض کردی اور قرآن میں اس کا حکم دیا ہے۔ تمہاری عظمت کے لئے یہ کافی ہے کہ جو نماز میں تم پر درود نہ پڑھے۔ اس کی نماز پوری نہیں ہوتی۔"

قرآن و حدیث کے ان صریح احکامات کے باوجود، آل رسول کے ساتھ، بعد رسول کیا سلوک کیا گیا۔ اس کے متعلق، مولانا حکیم ذاکر حسین صاحب اپنی کتاب "سیرۃ فاطمہؑ" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ہمیں اس سے بحث نہیں کہ رسول اللہ کے بعد اسلام نے ترقی کی یا تنزل۔ ہم اس سے غرض نہیں رکھتے کہ رسول اللہ کے بعد تمدن میں کس قسم کا تغیر ہوا۔ ہم اس سے بھی تعرض نہیں کرنا چاہتے کہ بعد رسول جس اسلام نے ترقی کی وہ کس قسم کا اسلام تھا۔ ہم تو صرف ایک بات، ہاں صرف ایک بات یہ کہنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ کے بعد رسولؐ کی اولاد یا فاطمہؑ کا خاندان اس طرح نکال پھینکا گیا جیسے دودھ سے مکھی۔ ان (اولاد رسول) کو نہ صرف گوشہ نشین کیا گیا بلکہ تلوار، زہر اور آگ۔ یہ چیزیں ان کے لئے مخصوص کردی گئیں۔ اہل انصاف کو اس مقام پر یہ طے کرنا پڑے گا کہ یا تو رسول اللہ کی اولاد تھی ہی اسی قابل اور ان (اولاد رسول) سے اسی قسم کے جرائم سرزد ہوتے تھے کہ وہ اسی قسم کے سلوک کے مستحق تھے جو ان کے ساتھ کیا گیا (معاذ اللہ) یا مسلمانوں نے ہی دین و دیانت سے آنکھیں بند کرلیں، رسول خدا کے تمام احسانات کو فراموش کردیا اور محض حصول ریاست اور سلطنت کو ہی اپنا مقصد زندگی سمجھ لیا۔"

مشہور ولی کامل بزرگ، حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس تلخ حقیقت کی طرف متوجہ کیا ہے۔

"روز دوشنبہ ۵/ رمضان المبارک ۸۰۲ھ۔"

عشاء کی نماز کے بعد، امت کا اپنے پیغمبر سے، شاگرد کا اپنے استاد سے، مرید کا اپنے پیر سے بے وفائی کا ذکر آیا تو (حضرت خواجہ بندہ نواز نے) فرمایا۔ جو پیر اپنے مریدوں پر غرہ (غرور) کرتا ہے کہ وہ لوگ اس کے بعد اس کی اولاد سے وفا کریں گے اور کام کے وقت مدد کے لئے کھڑے ہو جائیں گے، تو وہ غلطی پر ہے۔ پھر فرمایا سبحان اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت نے آپ کے جگر گوشوں سے کیا سلوک کیا۔ رسول اللہ سے بڑھ کر کون پیر ہو سکتا ہے۔ اور صحابہ کرام سے بڑھ کر کون مرید ہو سکتا ہے۔ اور رسول اللہ کی آل اولاد سے بڑھ کر کس کی آل اولاد ہو سکتی ہے۔ آپ کے اصحاب میں کتنے ہی لوگوں نے آپ کی وفات کے بعد وفاداری نہیں کی، دوسروں پر کیا اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ معاویہ نے آپ کی آل کے ساتھ کیا کیا۔ حضرت حسنؑ کو قتل کرایا اور حضرت علیؑ کو قتل کرایا۔"

(اردو ترجمہ جوامع الکلم مطبوعہ ۱۹۷۲ و ۱۹۷۳)

اسی طرح مشہور عالم اہل سنت، شمس العلماء حافظ ڈپٹی نذیر

احمد، جو مترجم قرآن بھی ہیں اور کئی مشہور کتابوں کے مصنف بھی ہیں بضعۃ الرسول جناب فاطمہ بنت رسول اللہ کے مصائب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

"جو شخص وفات رسولؐ سے سب سے زیادہ متاذی (اذیت میں مبتلا) ہوا وہ فاطمہؑ تھیں۔ والدہ (حضرت خدیجہؑ) پہلے ہی انتقال فرما چکی تھیں۔ اب ماں، باپ دونوں کی جگہ پیغمبر صاحب ہی تھے۔ اور باپ بھی کیسے، دین و دنیا کے بادشاہ۔ ایسے باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانا، اس پر حضرت علیؑ کا خلافت سے محروم رہنا، نمک بر جراحت، ترکہ پدری باغ فدک کا دعویٰ کرنا اور (حضرت خلیفہ اول کی عدالت سے) ہار جانا۔ کسی دوسرے کو ایسے پیہم صدمات پہونچتے تو زہر کھا کر مر رہتا مگر ان کا صبر و ضبط ان کے ساتھ تھا۔ پھر ان ہی رنجوں میں گھل گھل کر چھ مہینے کے اندر انتقال فرما گئیں۔ اور جتنے دن زندہ رہیں، ان لوگوں سے جنھوں نے رنج دیئے تھے۔ بولیں نہ بات کی۔ یہاں تک کہ ان لوگوں (حضرت خلیفہ اول و دوم) کو اپنے جنازے پر نہ آنے کی منادی (وصیت) کرادی (تفصیل صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بھی موجود ہے)۔ اور شب میں مدفون ہوئیں۔ ہم کو جب فاطمہ زہرا کا خیال آتا ہے تو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ علیؑ کو خلافت مل جاتی تو فاطمہؑ کی کچھ تو دلجوئی

ہو جاتی - یہ خیال اور بھی تکلیف دیتا ہے کہ پہلے انتخاب میں علیؑ کی ناکامی نے پیغمبر صاحب کی نسل کی اسلامی وقعت کو کم کرتے کرتے آخر کو بالکل زائل کر دیا - اب جو کچھ بھی اسلامی وقعت پیغمبر صاحب کی نسل کی رہ گئی ہے وہ یہی ہے کہ درود میں آل محمدؐ کا نام برائے نام ابھی تک باقی چلا آتا ہے ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص قوم کو کسی طرح کا فائدہ پہنچاتا ہے تو لوگ اس کی نسلوں تک کا احسان مانتے ہیں - ایک پیغمبر صاحب تھے کہ پھکڑوں ، لیٹروں کو بادشاہ ، بدمعاشوں کو بھلا مانس بت پرستوں کو خدا پرست ، نالائقوں کو لائق ، وحشیوں کو مہذب ، اور جانوروں کو انسان بنا گئے - لیکن ان کے ان تمام احسانوں کا بدلہ ان کی امت نے ، ان کے نواسوں ، نواسیوں ، بہو بیٹیوں کو جو دیا ، اس کا رونا آج تک اسلامی دنیا میں رویا جا رہا ہے اور قیامت تک رویا جائے گا" -

(امہات الامتہ ص ۹۴ ، مطبوعہ دہلی)

یہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا وہ ہیں کہ جن کے متعلق صحیح بخاری شریف میں اور تقریباً حدیث کی تمام کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث تواتر کے ساتھ ملتی ہے کہ فاطمہ میرے ہی وجود کا ایک حصہ ہے جس نے فاطمہ کو غضبناک کیا اس نے مجھے

غضبناک کیا اور جس نے مجھے غضبناک کیا اس نے اللہ کو غضبناک کیا -

علامہ شبلنجی مصری اپنی کتاب "نورالابصار" میں تحریر فرماتے ہیں -

"مجاہد سے روایت ہے کہ ایک روز جناب رسول خدا فاطمہ زہرا کا ہاتھ تھامے ہوئے (جناب فاطمہ زہراؑ کی کمسنی میں) دولت سرا سے باہر تشریف لائے اور فرمایا -

"جو شخص ان کو پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہے - اور جو نہیں پہچانتا وہ پہچان لے کہ یہ فاطمہؑ بیٹی ہے محمدؐ کی - اور یہ میرا جزو بدن ہے اور میری روح ہے - جو میری پسلیوں میں رہتی ہے - جس نے اس کو اذیت دی اس نے مجھ کو اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے خدا کو اذیت دی" -

مشہور عالم اہلسنت سید علی ہمدانی ، کتاب مودۃ القربیٰ میں تحریر فرماتے ہیں -

"رسول خداؐ نے فرمایا - فاطمہ کی محبت سختی اور شدت کے متعدد مقامات میں نفع پہنچاتی ہے ، مقام مرگ (وقت موت) قبر ، میزان ، حساب و کتاب وغیرہ ان میں شامل ہیں - جس سے فاطمہؑ راضی و خوشنود ہوئیں اس سے میں راضی اور خوشنود ہوا - اور جس سے میں راضی اور خوشنود ہوا ، اس سے خدا راضی اور خوشنود ہوا - اور جس سے

فاطمہ غضبناک ہوئیں اس سے خدا غضبناک ہوا"۔

شافع محشر، حضور کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس قدر عزیز، اکلوتی صاحبزادی پر رسول اللہ صلعم کی رحلت کے بعد کیا گزری۔ اس کے متعلق مولانا اولاد حیدر فوق بلگرامی لکھتے ہیں "حقیقت تو یہ ہے کہ جناب ختمی مرتبت کے ختم ہوتے ہی فاطمہ زہرا پر مصیبتوں کے دروازے کھل گئے۔ آفتوں کے آسمان ٹوٹ پڑے۔ باپ کے مرنے کے بعد پچھتر روز زندہ رہیں مگر ایسی زندگی جو موت کے برابر تھی۔ ڈھائی تین مہینوں کی مدت جس مصیبت اور اذیت میں گزری وہ غم والم کے دفتر ہیں۔ دن تھا آفت، رات تھی مصیبت۔ حق تلفی کی گئی تو ان کی، ملکیت ضبط کی گئی تو ان کی۔ باپ کی مفارقت میں سمجھیں تھیں کہ زمانے کے لوگ ہمدردی کریں گے۔ انسانی اخلاق و عادات کے مطابق دلجوئی کریں گے۔ تسلی و تشفی اور دلاسہ دیں گے۔ مگر دنیا والوں نے بخلاف امید، معصومہ کو ایسی اذیتیں پہونچائیں جو انسانی ستمگاریوں سے بڑھ کر حیوانی خونخواریوں تک پہونچ گئیں۔ رسول اللہؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی، فاطمہؑ کی طرف سے گویا تمام دنیا کی نگاہیں پھر گئیں، دل پلٹ گئے، نیتیں بدل گئیں۔ گویا کہ بضعۃ الرسول سے کوئی واسطہ ہی نہیں گویا سیدۃ النساء العالمین کا عامۃ

المسلمین پر کوئی حق ہی نہ تھا۔ بعد رسول فاطمہ وہ فاطمہ ہی نہ تھیں جن کی قدر و منزلت خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کرتے ہوئے دنیا والوں نے اپنی آنکھوں سے ایک بار نہیں بے شمار بار دیکھا تھا۔ تنہا جناب سیدہ کے حقوق سے ناتوجہی اور روگردانی نہیں کی گئی بلکہ اگر غور سے کام لیا جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ رسول اللہ صلعم کے مخصوص حقوق سے چشم پوشی اختیار کی گئی"۔

(کتاب الزہرا)

شارح نہج البلاغہ علامہ ابن ابی الحدید نے جناب فاطمہ زہرا کا ایک خطبہ اپنی کتاب "شرح نہج البلاغہ" میں درج کیا ہے۔ جو انھوں نے علامہ ابوبکر احمد بن عبدالعزیز الجوہری کی کتاب "السقیفہ" سے نقل کیا ہے۔ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ جناب فاطمہ زہرا کا یہ خطبہ عمدہ ترین خطبات میں سے ہے۔ جس میں انوار نبوت شامل اور اقتدار و اعتبار رسالت داخل ہے اور اس خطبے کو موافق و مخالف، سب نے کتاب "سقیفہ" محمد ابن شیبہ سے (جس کو ابوبکر ابن عبدالعزیز الجوہری نے جمع کیا ہے) نقل کیا ہے۔ اور امام جوہری نے اس کو ایک قدیم نسخے سے نقل کیا تھا اور نقل کرنے کے بعد اس کو تمام وکمال محمد ابن شیبہ کو ربیع الآخر ۳۲۲ ہجری میں پڑھ کر سنایا تھا کہ

"جس وقت جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو خبر ملی کہ حضرت ابو بکر نے قطعی طور پر (آپ کے ترکہ، پدری) باغ فدک کو ضبط کر لیا، تو آپ نے چادر کا آنچل سر پر ڈالا اور سر سے پاؤں تک جسم مطہر کو چھپایا اور اپنی قوم کی عزیز و رفیق عورتوں کی جماعت کے ساتھ مسجد نبوی کا رخ فرمایا۔ ردائے مبارک لٹکتی جاتی تھی اور پائے مبارک لغزش کرتے (لڑکھڑاتے) جاتے تھے۔ رفتار و سکینہ (سکون) و وقار سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلعم تشریف لا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت ابو بکر کے پاس (مسجد نبوی میں) پہنچیں۔ اس وقت وہاں مہاجرین اور انصار بھی جمع ہو گئے تھے۔ عورتوں نے آپ کے اور حاضرین کے درمیان سفید پردہ تان دیا۔ پس آپ تشریف فرما ہوئیں اور ایک ایسی دل شگاف آہ سرد بھری کہ حاضرین رونے لگے۔ جب لوگوں کا گریہ کم ہوا اور سب خاموش ہو گئے تو آپ نے حضرت ابو بکر سے فدک کے بارے میں گفتگو فرمائی۔ گواہوں کو پیش کیا مگر ان کی گواہی نامنظور ہوئی۔ حدیث "لانورث" پر بحث ہوئی (یعنی حضرت ابو بکر نے حدیث پیش کی کہ رسولؐ خدا نے فرمایا ہے (نحن معاشر الانبیاء لانرث ولانورث وما ترکناہ صدقہ) ہم گروہ انبیاء نہ تو کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ہی کوئی ہمارا وارث

ہوتا ہے) اور ہم جو کچھ میراث چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ جناب فاطمہ زہرا نے اس حدیث کی رد میں آیات قرآنی کو پیش کرتے ہوئے قرآن سے استدلال فرمایا۔ لیکن جب ساری گفتگو لاحاصل ثابت ہوئی تو آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ اس قدر فصیح و بلیغ اور جامع و مدلل ہے کہ بڑے بڑے فصحاء و بلغاء عرب و عجم اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ علامہ ابن ابی الحدید جو اپنے زمانے کے بہت بڑے ادیب مانے جاتے تھے اور جنہوں نے جناب امیر کے کلام نہج البلاغہ کی شرح لکھی ہے اور جن کے اشعار روضۂ جناب امیر علیہ السلام میں دیواروں پر لکھے ہوئے ہیں۔ اس خطبے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ "یہ خطبہ زبان عربی میں عمدہ ترین خطبات میں سے ہے جس میں انوار نبوت شامل اور اقتدار و اعتبار رسالت داخل ہے۔

"یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب حالات کی مجبوری کی وجہ سے شہزادی کائنات جناب فاطمہ زہرا کو حاکم غاصب کے سامنے مسجد نبوی میں خطبہ دینے کے لئے جانا پڑا تو آپ نے بنی ہاشم کی چند اپنے ہی قد و قامت سے ملتی ہوئی عورتوں کو جمع کیا اور سب کی سب سر تا پا برقعوں میں ملبوس حاکم کے دربار میں پہونچیں۔ جب شہزادی نے خطبہ شروع کیا تو یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ کون بول رہا ہے اور آواز کدھر سے آرہی ہے"

(حامد بن شبیر اظہار حق ص ۷۸)

چونکہ یہ خطبہ طویل ہے اس لئے کچھ حصے کا ترجمہ ہم یہاں درج کرتے ہیں

خطبۂ مخدومۂ عالم
جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

بسم اللہ الرحمن الرحیم حقیقی حمد مخصوص ہے اللہ کے لئے کہ اس نے نعمتیں عطا فرمائیں، اور اس کے لئے شکر ہے کہ اس نے نفس کو نیک و بد کی تمیز بخشی اور ہر ثناء اس کی اس لئے کہ اس نے ہر طرح کی نعمتوں کے ساتھ ہم پر ابتداء اور پہل کی اور عطائے کاملہ کی وجہ سے جو اس نے بذل فرمائیں اور بندوں کو اپنی کامل نعمتوں سے بہرہ اندوز فرمایا اور پورا پورا انعام لگاتار وارد فرمایا - اتنی نعمتیں عطا کیں کہ جن کا شمار ممکن نہیں اور ایسی نعمتیں، جن کی انتہا معاوضے سے دور ہے - اور جن کی ہمیشگی کا ادراک انسان کے بس سے باہر ہے - اللہ نے اپنے بندوں کو شکر کرکے نعمتیں زیادہ کرانے کی طرف رغبت دلائی تاکہ نعمتیں مسلسل رہیں اور عطایا کو زیادہ کرنے کے لئے مخلوقات سے طالب حمد ہوا اور پھر دنیوی نعمتوں کی طرح آخرت کی

نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی جانب مائل فرمایا - میں گواہی دیتی ہوں کہ بجز خدائے یکتا و لاشریک کے کوئی اور معبود نہیں ہے - میں گواہی دیتی ہوں کہ میرے پدر بزرگوار محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں - جنھیں اس نے رسول بناکر بھیجنے سے پہلے ہی برگزیدہ اور منتخب بنالیا اور انھیں مبعوث کرنے سے پہلے ہی انبیاء کو ان کے نام سے آگاہ کردیا تھا - یہ اس وقت کی باتیں ہیں جب کہ ساری مخلوقات غیب کے حجاب میں پوشیدہ اور عدم کے ہولناک پردوں میں محفوظ تھی اور یہ سب اللہ نے اس لئے کیا کہ وہ انجام امور سے باخبر تھا اور زمانے کے حوادث کو اس کا علم محیط کیئے ہوئے تھا - مقدورات کے موقع اس کے علم میں تھے -

اے بندگانِ خدا - تم دوسری امتوں میں ضامن اور کفیل ہو اس عہد حق کے اور وصیت کے جو خدا نے تم سے کیا ہے اور اس سے بقیہ کے جن کو تم پر بعد رسول ذمہ دار قرار دیا ہے - اور وہ حق اور بقیہ خدا کی کتاب قرآن صادق ہے - اسی قرآن کے ذریعے خدا کی منور حجتیں پائی جاتی ہیں - بیان کئے ہوئے واجبات معلوم ہوتے ہیں اور ان حرمات کی اطلاع ہوتی ہے جن سے خوف دلایا گیا ہے - پس خداوند تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے شرک سے پاک ہونے کا وسیلہ ایمان کو، اور ہر سے بری ہونے کا سبب نماز کو بنادیا ہے - زکواۃ کو نفس کی پاکیزگی

اور رزق کی زیادتی کا ذریعہ قرار دیا ہے اور روزوں کو اس لئے واجب کیا
کہ اخلاص میں استحکام ہو اور دین کی مضبوطی کے پیش نظر حج کا حکم
فرمایا اور عدل و انصاف کا حکم دلوں کو ہموار کرنے کے لئے دیا اور
ہماری (اہلبیت کی) اطاعت کو ملت اسلام کی درستی کے لئے فرض کیا
اور ہماری امامت کو تفرقے کی بلا سے بچنے کے لئے امان قرار دیا ۔ جہاد
کو اسلام کی عزت اور اہل کفر و نفاق کی ذلت کا ذریعہ بنایا ۔ مصیبت
میں صبر کی دعوت اس لئے دی کہ اجابت دعا و حصول اجر میں تمہیں
مدد پہنچائے ۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اس لئے واجب کیا کہ
سب کی بھلائی ہوتی رہے ۔ والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم اس لئے
دیا کہ غضب خدا سے حفاظت رہے ۔ صلہ رحم (رشتے داروں سے نیک
سلوک) اس لئے مقرر کیا کہ عمریں بڑھتی رہیں ۔ لہذا خدا سے اس طرح
ڈرو جو ڈرنے کا حق ہے اور یہ کوشش کرو کہ جب مرو تو مسلمان ہی مرو
بے شک خدا سے ڈرنے والے اس کے بندوں میں علماء ہی ہیں ۔ پھر
حضرت فاطمہؑ نے فرمایا ۔ اے لوگو جان لو کہ میں فاطمہؑ ہوں ۔ میرے
والد محمد مصطفیٰؐ ہیں ۔ یہی جملہ میں پھر کہتی ہوں اور جو کہتی ہوں غلط
نہیں کہتی اور اپنے فعل میں حد سے تجاوز نہیں کرتی ۔ یقیناً تمہارے
پاس خدا کا وہی رسول آیا ہے جو تم ہی لوگوں میں سے ہے ۔ جس کی

مشقت کا یہ عالم ہے کہ اس پر شاق ہے کہ تم تکلیف اٹھاؤ ۔ اسے
تمہاری بہبودی (بھلائی) کا ہوکا ہے ۔ (پیغمبر اکرم) ایمانداروں پر حد
درجے شفیق اور مہربان ہیں ۔ پس اگر تم ان کی نسبت اور قرابت پر
خیال کرو تو تم ان کو میرا باپ پاؤ گے نہ کہ اپنی عورتوں میں سے کسی کا
اور میرے ابن عم (علی ابن ابی طالبؑ) کا بھائی پاؤ گے نہ کہ اپنے
مردوں میں سے کسی کا ۔ اور وہ بہترین شخص ہے جس کی نسبت
آنحضرتؐ سے ہو ۔ پس آنحضرت نے خدا کا پیغام اس طرح پہنچا دیا کہ
خدا سے ڈرانے میں پوری وضاحت سے کام لیا اور مشرکین کے درجات
الٰہی کی طرف توجہ نہ کی ۔ اور ان کے اعاظم اور روساء کو تہہ تیغ
کر دیا اور ان کے ناطقے بند کر دیئے ۔ اور وہ اپنے پروردگار کے راستے کی
طرف حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ دعوت دے رہے تھے ۔ بتوں
کو توڑ رہے تھے اور اہل شرک کے سرداروں کو سرنگوں کر رہے تھے ۔
یہاں تک کہ گروہ مشرکین کو شکست ہوئی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ
کھڑے ہوئے ۔ بالآخر کفر و جہالت کی رات ختم ہوئی اور ہدایت کی صبح
صادق نے جلوہ دکھایا ۔ اور حق اپنی خالص شکل میں نمودار ہوا ۔ دین
کا ڈنکا بجنے لگا اور شیطانوں کے ناطقے گم ہوگئے نفاق پرور کمینے ہلاک
ہوگئے اور کفر اور بے دینی کی گرہیں کھل کر رہ گئیں ۔ اور تم نے چند

روشن نسب اور گرسنہ روزے دار لوگوں یعنی اہلبیت رسول کے طفیل
میں زبان پر کلمہ اخلاص جاری کیا - درآنحالیکہ ، تم قعر جہنم کے کنارے
پر تھے اور ایسے بے مقدار تھے جیسے ہر پینے والے کا ایک گھونٹ اور
طمع کرنے والے کا ایک چلو - اور عجلت کرنے والے کی ایک چنگاری
اور ایسے ذلیل تھے جیسے پیر تلے کی خاک - تم لوگ وہی تو ہو جو ایسا
بدبودار پانی پیا کرتے تھے کہ جس میں اونٹ کی مینگنیاں اور پیشاب
مخلوط ہوتا تھا - (یعنی تم کو پاک اور ناپاک کی تمیز بھی نہیں تھی اور
بے دباغت کی ہوئی کھال (چمڑے) چباتے تھے - ذلیل تھے اور
دھتکارے ہوئے تھے اور ڈر رہے تھے کہ وہ لوگ جو تمہارے اردگرد
ہیں (یعنی اطراف کی قومیں) وہ تمہیں ہلاک نہ کر ڈالیں - ایسی حالت
میں ، خداوند عالم نے تم لوگوں کو میرے پدر بزرگوار محمد مصطفیٰ (صلعم)
کے ذریعے ان فکروں سے نجات دی - عرب کے ڈاکوؤں اور اہل کتاب
(یہود و نصاریٰ) کے سرکشوں سے آنحضرت کو سابقہ پڑا تھا - جب کبھی
ان لوگوں نے جنگ کی آگ بھڑکائی تو خدا نے اسے خاموش کر دیا -
جب کبھی گروہ شیطان نے سر اٹھایا اور مشرکین میں سے کسی منہ کھولنے
والے نے منہ کھولا تو آنحضرت نے اپنے بھائی علیؑ ہی کو اس بلا کے منہ
میں بھیجا - پس اس علیؑ کی شان یہ تھی کہ وہ اس وقت تک نہیں پلٹا

جب تک کہ اس نے ان کے کانوں (کنپٹیوں) کو اپنے تلوؤں سے روند
نہ لیا اور دم تیغ سے فتنے کی آگ نہ بجھادی - وہ خدا کے بارے میں
مشقت برداشت کرنے والا اور امر خدا میں پوری کوشش کرنے والا
اور رسول خدا سے قریب تھا - اولیاء خدا کا سردار ، ہدایت پر کمربستہ ،
بندگان خدا کا ناصر ، مفید باتیں پیش کرنے والا اور کوشش اور سعی
بلیغ کرنے والا تھا - (ان [علیؑ] کا تو یہ حال تھا) اور تم لوگ زندگی کی
خوشگوار حالت میں پڑے ہوئے تھے - اطمینان اور خوش طبعی کی
حالت میں بے خوف زندگی بسر کر رہے تھے - ہم (اہلبیت) پر کوہ
مصیبت ٹوٹ پڑنے کے منتظر تھے اور ہماری نسبت متوحش خبریں
سننے کے مشتاق رہتے تھے - تم لوگ جنگ کے موقع پر پسپا ہو جاتے اور
میدان جنگ سے بھاگ جاتے تھے - پس جب خداوند عالم نے اپنے
پیغمبر کے لئے گزشتہ انبیاء کے گھر اور اپنے اصفیاء کے مسکن کو پسند
فرمایا (یعنی آنحضرتؐ کی وفات ہو گئی) تو تم لوگوں میں (اہلبیت رسول
سے) نفاق آمیز دشمنی ظاہر ہوئی - دین کی چادر بوسیدہ ہو گئی - گمراہوں
کی زبان کھل گئی اور گمنام اور ذلیل لوگ ابھر گئے اور باطل پرستی کا
اونٹ بلبلانے لگا - شیطان نے اپنے گوشے سے سر نکالا اور اس نے
تمہیں بلانے کے لئے آواز دی اور اپنی آواز پر تم کو لبیک کہتا ہوا پایا -

پھر اس نے تم کو اپنی فرمانبرداری کے لئے اٹھنے کا حکم دیا تو تمہیں فور
تیار رہنے والا پایا - پس تم نے اپنے اونٹ کے بدلے دوسرے کے
اونٹ پر اپنی ملکیت کا نشان کر دیا - (یعنی خلافت کو اپنا لیا) اور اپنا
گھاٹ چھوڑ کر دوسرے کے گھاٹ پر وارد ہو گئے - یعنی جو دوسرے کا
حق تھا اسے زبردستی اپنا حق بنا لیا - حالانکہ تم سے رسول نے (ام
خلافت کے بارے میں) جو عہد و پیمان لیا تھا وہ قریب کی بات ہے -
اور ان کی جدائی کا زخم ابھی ہرا ہی تھا - جراحت مندمل نہ ہوئی تھی اور
رسول خدا دفن تک نہ ہوئے تھے کہ شیطانی کاموں کی طرف تم نے
سبقت کی - یہ گمان کر کے کہ فتنے کا خوف پیدا ہو گیا تھا - حالانکہ یہ
گمان غلط تھا - آگاہ ہو جاؤ کہ تم خود فتنے میں گرفتار ہو گئے ہو اور بے شک
کافروں کے لئے جہنم محیط ہے - تم نے اتنی بھی تاخیر نہ کی کہ فتنے کی
نفرت ذرا کم ہو جاتی اور اس پر قابو پانا آسان ہو جاتا بلکہ تم نے
(بے صبری کے ساتھ فتنے کی) آگ کو اور بھڑکانا شروع کر دیا اور اس کی
چنگاریاں تیز کرنے لگے - شیطان گمراہ کی آواز پر لبیک کہنے، دین روشن
کے نور کو بجھانے اور پیغمبر برگزیدہ کی سنتوں کو محو کرنے پر تیار ہو گئے
بظاہر تم نے اسلام اختیار کر رکھا ہے جو دراصل باطن میں نفاق ہے -
اہلبیت اور اولادِ پیغمبر کے خلاف گنجان درختوں اور جھاڑیوں میں

چھپ کر چال چلنے لگے - اور ہم تمہارے افعال پر یوں صبر کرتے
ہیں جیسے کوئی چھری کی کاٹ اور نیزے کی انی کے سینے میں پیوست ہونے پر
صبر کرتا ہے - اور تم یہ گمان کرنے لگے ہو کہ مجھ کو اپنے پدر بزرگوار کے
ترکے میں کوئی حق وراثت نہیں ہے - کیا تم جاہلیت کے احکام پسند
کرتے ہو - خدا سے بہتر حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے - ان کے لئے جو
صاحبان یقین ہیں - کیا تم نہیں جانتے ؟ بے شک تم جانتے ہو، اور
تمہارے لئے یہ امر آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہے کہ میں پیغمبر
کی بیٹی ہوں - کیوں مسلمانو - کیا تم اس پر راضی ہو کہ میری میراث
مجھ سے چھین لی جائے ؟ اور اے ابو قحافہ کے بیٹے - کیا یہ کتاب اللہ
(قرآن) میں ہے کہ تم اپنے باپ کی میراث تو پاؤ اور میں اپنے باپ کی
میراث نہ پاؤں - بے شک تم نے یہ عجیب جھوٹ گڑھ لی ہے - کیا تم
لوگوں نے دیدہ و دانستہ کتاب خدا کو چھوڑ رکھا ہے اور اس کو پس پشت
ڈال رکھا ہے - حالانکہ اس میں ذکر ہے، جناب سلیمانؑ (نبی ہونے کے
باوجود اپنے نبی باپ) داؤدؑ کے وارث ہوئے - اور جناب یحییٰؑ کے قصے
میں حضرت زکریاؑ کی یہ دعا مذکور ہے کہ خداوندا مجھے اپنے پاس سے ایسا
وارث عطا فرما، جو میری میراث بھی پائے اور آل یعقوب کا ورثہ بھی
- پھر اسی کتاب میں ہے کہ خدا کی کتاب میں بعض قریبی رشتہ دار

ہیں بعضوں سے اور فرمایا ہے کہ تمہارا رب تمہاری اولاد کے بارے
میں تم کو وصیت کرتا ہے کہ " میراث کی تقسیم میں ایک مرد کو
عورتوں کے برابر حصہ دو " ۔ پھر ارشاد ہے کہ " پرہیزگاروں کو
ہے کہ اگر مرتے وقت مال چھوڑے تو وہ والدین اور قریبی رشتہ دار
کے لئے (اچھی) وصیت کر جائے " ۔

خدا تو یہ فرماتا ہے، اور تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ میرا کوئی
ہی نہیں ہے ۔ میں اپنے باپ کی وارث ہی نہیں ہو سکتی ۔ اور ہم لوگ
(میرے اور میرے باپ رسول خدا صلعم) کے درمیان کوئی
قرابت ہی نہیں ہے ۔ کیا خداوند عالم نے معاملہ میراث میں تم کو
آیت کے ساتھ مخصوص کیا ہے جس سے میرے پدر بزرگوار کو
کر دیا ہے ۔ یا تم یہ کہتے ہو کہ " دو ملت والے آپس میں ایک دوسرے
کے وارث نہیں ہوتے " ؟ تو کیا میں اور میرے والد بزرگوار ایک ملت
پر نہیں ہیں ؟ کیا تم میرے والد بزرگوار اور میرے ابن عم (علی ابن
ابی طالب) کی نسبت خصوص و عموم قرآن کو زیادہ سمجھتے ہو ۔ اچھا
(میرے ترکۂ پدری) فدک کو اس طرح قبضے میں کر لو جس طرح مہار
و پالان بستہ اونٹ قبضے میں کیا جاتا ہے (اس کے نتائج سے) تو قیامت
کے دن ملاقی ہوگا اور خداوند عالم بہت اچھا حکم کرنے والا ہوگا، اور

... طالب محمدؐ ہوں گے اور وعدہ گاہ قیامت ہوگی ۔ اور قیامت
... اہل باطل سخت گھاٹے میں رہیں گے اور اس وقت کی ندامت تم
... ہو پائے گی ۔ ہر امر کے لئے ایک وقت مقرر ہے اور
... تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ذلیل کرنے والا عذاب کس پر
... اور عذاب دائمی کس کے لئے ہوگا" ۔

پھر جناب فاطمہ زہرا، انصار کی طرف متوجہ ہوئیں اور اپنے
... کو جاری رکھا ۔

... سیدۂ عالمیان، مخدومہ کونین کے اس خطبے کا تذکرہ
... کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ مرقوم ہے ۔ متقدمین اور
... بے شمار مستند تالیفات میں اس کے حوالے ملتے ہیں ۔ یہ
... محرکات کے تحت انشاء فرمایا گیا ان کی تفصیلات ماخذات
... کہیں جا سکتی ہے ۔

(۱) صحیح بخاری پارہ (۳) صفحہ (۳۷)
(۲) صحیح مسلم جلد (۲) صفحہ (۷۲)، باب قول النبی الورثہ
(۳) مسند احمد ابن حنبل جلد اول صفحہ (۶)
(۴) خواص الائمہ، علامہ سبط ابن جوزی
(۵) شرح نہج البلاغہ، علامہ ابن ابی الحدید وغیرہ، اور صاحب بلاغات النساء

لکھتے ہیں کہ حضرت زید ابن علیؑ ابن الحسینؑ نے کہا کہ ان کی پھوپی حضرت زینب بنت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ خطبہ جناب سیدہ نے ارشاد فرمایا ہے"۔

بہرحال اس خصوص میں بہت سے اسناد موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خطبہ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے انشاء فرمایا تھا۔

جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے اس خطبے کو یہاں نقل کرنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ، اس تحریر کے پڑھنے والے ہمارے قارئین اس حقیقت سے بھی واقف ہوجائیں کہ جناب فاطمہ زہرا نے اہل مدینہ، مہاجرین و انصار، تمام اصحاب رسولؐ کے سامنے حجت کو تمام کرتے ہوئے، اپنی مظلومیت، طلب حق اور ظالموں کے ظلم کو پوری وضاحت کے ساتھ پیش کیا تھا تاکہ خاندان رسالت کی مدد و حمایت سے جو مجرمانہ چشم پوشی کی گئی، اس بارے میں کسی کے لئے بھی کوئی جواز باقی نہ رہے جسے وہ بعد میں بہانے کے طور پر پیش کرسکیں۔ صاحبان احساس کے لئے یہ بڑا عبرت کا مقام ہے کہ مدینۃ النبی مسلمانوں سے بلکہ رسول کی چاہت کا دعویٰ کرنے والوں سے بھرا ہوا تھا اور رسول اسلام کی اکلوتی بیٹی اور پارۂ جگر پر یہ تمام

مصائب ہوتے رہے اور اہل مدینہ خاموش دیکھتے رہے اور کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہ نکلا جو رسول اسلام کی اس غم زدہ و مظلوم بیٹی کی مدد کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا۔ ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹتے رہے اور اہل مدینہ چین کی نیند سوتے رہے۔

اسی مدینے میں وصی رسول، زوج بتول حضرت علیؑ پر کیسے کیسے مصائب نہیں گزرے۔ رحلت رسول کے بعد ہم تاریخ کے صفحات پر یہ دیکھتے ہیں کہ علیؑ کو گرفتار کرکے آپ کے گلے میں رسی ڈالی جاتی ہے آپ کی زوجہ محترمہ، خیرالنساء فاطمہ زہرا کے پہلو پر جلتا ہوا دروازہ گرایا جاتا ہے اور علیؑ وصیت رسولؐ کی تعمیل میں خاموشی کے ساتھ دین محمدیؐ کی حفاظت کی خاطر ان تمام مظالم کو صبر کے ساتھ برداشت کرتے ہیں۔ علی و فاطمہ کے بعد امام حسین علیہ السلام کے برادر بزرگ سبط اکبر، امام حسن علیہ السلام کے ساتھ جیسا سلوک ہوا وہ تاریخ اسلام کا ہر طالب علم جانتا ہے۔ اسی مدینے میں (امیرالمومنین کی مظلومانہ شہادت کے بعد) مسلسل دس برس تک امام حسن علیہ السلام کے ساتھ ہر طرح کا توہین آمیز سلوک روا رکھا گیا۔ یہاں تک کہ زہر دغا کے ذریعے آپ کو شہید کردیا گیا مگر اہل مدینہ بے خبر یا لاتعلق ہی بنے رہے۔ قبر رسول کے بازو تدفین سے روکنے کے لئے امام حسن علیہ

السلام کے جنازے پر تیراندازی کی گئی۔ اتنے تیر برسائے گئے کہ بہت سے تیر آپ کے جنازے میں پیوست ہوگئے اور اس تمام ظلم عظیم اور جبر و تشدد کے بعد بھی نواسہ رسولؑ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن نہیں ہونے دیا گیا، اور یہ سب واقعات مدینۃ النبی ہی میں پیش آئے۔ جہاں اکثریت اصحاب کرام کی تھی لیکن سبط رسول کی مظلومانہ شہادت یا آپ کے جنازے پر برسنے والے تیروں کے خلاف کسی نے احتجاج کی صدا بلند نہیں کی۔

اس تمام تفصیل سے ناواقف حضرات یا وہ خود ساختہ دانشور و مورخین جو یزید ابن معاویہ اور عبیداللہ ابن زیاد وغیرہ کے وکیل صفائی کی حیثیت سے عامۃ المسلمین کے ذہنوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ واقعۂ کربلا کے دل خراش و دل سوز مصائب کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہنے کی کوشش کرتے ہیں کہ "اگر امام حسین علیہ السلام مدینے ہی میں قیام فرماتے تو آپ ان مصائب میں مبتلا نہ ہوتے اگر کوئی مصیبت آتی بھی تو اہل مدینہ کی حمایت آپ کو حاصل رہتی"۔
لیکن آیہ مبارکہ ممن حولکم من الاعراب منافقون ○ ومن اہل المدینہ ○

سورہ توبہ۔ آیت ۱۰۱

(اور اے رسولؐ تمہارے آس پاس جو عرب ہیں ان میں سے بعض منافق ہیں اور بعض اہل مدینہ سے بھی منافق ہیں۔)
کے مصداق اہل مدینہ میں منافقوں کی اکثریت تھی اور امام حسین علیہ السلام اہل مدینہ کی مصلحت آمیز لمحہ بہ لمحہ بدلتی ہوئی وفاداریوں سے بھی واقف تھے اور آپ کو اپنے مقدس ماں باپ اور برادر بزرگ پر کئے گئے مظالم اور اہل مدینہ کی خاموشی و بے تعلقی کے مناظر بھی یاد تھے۔ آپ کو یقین تھا کہ قاتل آپ کو مدینے میں بھی شہید کئے بغیر نہیں چھوڑیں گے اس لئے آپ نے ۲۸/ رجب ۶۰ھ کو اس وقت مدینے سے ہجرت فرمائی جبکہ امیر شام کے انتقال کے بعد والی مدینہ کے پاس یزید ابن معاویہ کا حکم نامہ پہونچا۔ "یا تو حسین ابن علیؑ سے یزید کی بیعت لے لی جائے یا پھر ان کا سر کاٹ کر روانہ کر دیا جائے"۔

(حالات مظلومہ کربلا
جناب سکینہ بنت الحسین سلام اللہ علیہا)

والدین

جناب سکینہ بنت الحسین سلام اللہ علیہا کے پدر بزرگوار امام حسین ابن علی، رسول اسلام حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے اور مولائے کائنات حضرت علی مرتضٰی و شہزادی کائنات حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے صاحبزادے ہیں اور آپ کے فضائل و مناقب مشہور و معروف ہیں۔

جناب سکینہؑ کی والدۂ گرامی کا نام رباب بنت امرأ القیس تھا۔ حضرت رباب کے والد محترم امرأ القیس، عرب کے مشہور شاعر تھے جو عرب کے ایک بہت معزز قبیلے سے تعلق رکھتے تھے آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

"رباب، دختر امرأ القیس بن عدی بن اوس بن جابر بن کعب بن علیم بن ھصیل بن کنانہ بن بکر بن عذرہ بن زید اعلات بن رقید بن ثور بن کلب ہے"۔

حضرت رباب بنت امرأ القیس کی شادی امام حسین علیہ

السلام سے ہوئی تھی۔ آپ کے بطن مبارک سے حضرت سکینہؑ اور حضرت علی اصغرؑ پیدا ہوئے حضرت علی اصغرؑ کا اصلی نام عبداللہ ہے۔ لیکن چونکہ کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے دو صاحبزادے علی نام کے شہید ہوئے، اس لئے بڑے صاحبزادے علی اکبرؑ اور چھوٹے صاحبزادے علی اصغرؑ کہلائے۔ حضرت علی اصغر ابھی طفل شیر خوار ہی تھے کہ کربلا میں تیر ظلم سے شہید کر دیئے گئے۔

(تاریخ طبری جلد ۱۳، ص ۱۹ تا ۲۱)

جناب سکینہ اور آپ کی والدۂ گرامی حضرت رباب بنت امرأ القیس سے امام حسین علیہ السلام بہت زیادہ محبت فرماتے تھے۔ آپ کی اس شدید محبت کا گواہ آپ کا یہ شعر ہے جسے ابن جریر طبری نے محفوظ کیا ہے۔

لعمرک اننی لاحب دارا
تکون بها سکینة والرباب

"میں اس گھر کو بہت دوست رکھتا ہوں جس میں سکینہؑ اور رباب قیام کرتی ہیں"۔

(تاریخ طبری جلد ۱۳، ص ۱۹)

حضرت رباب کو بھی امام حسین علیہ السلام کی ذات اقدس سے جو قلبی تعلق تھا، اس کو بیان کرتے ہوئے علامہ شبلنجی اپنی کتاب "نور الابصار" میں لکھتے ہیں کہ بعد شہادت جب اہل حرم کو دال قتل گاہ سے گزرے تو اس وقت جناب زینب، جناب ام کلثوم بھی بے اختیار نوحہ کررہی تھیں اور آنسو بہارہی تھیں اور جناب رباب بھی آنکھوں سے سیل اشک بہاتے ہوئے فرماتی جاتی تھیں۔ "ہائے وہ بزرگ جو مجسم نور تھا۔ ایسا نور جس سے دوسرے لوگ روشنی حاصل کرتے تھے وہ نور مجسم یہاں کربلا میں شہید ہو کر پڑا ہے، اور اسے دفن بھی نہیں کیا گیا۔ اے فرزند رسول، اللہ آپ کو ہم لوگوں کی طرف سے جزائے خیر عطا کرے۔ اور آپ تو بہ روز قیامت، حساب وکتاب کے نقصان سے تو بچے ہوئے ہی ہیں۔ اے فرزند رسول، آپ میرے لئے ایک مضبوط پہاڑ کی مانند تھے، جہاں میں بڑی پناہ میں تھی۔ آپ تو ہمیشہ ہم لوگوں کے ساتھ رحم اور مہربانی کا برتاؤ کیا کرتے تھے۔ افسوس اب یتیموں اور سائلوں کے لئے کون رہا۔ اور کون ہے جس کی طرف لوگ اپنی حاجات لے کر آئیں گے اب فقراء اور مساکین کا پشت پناہ کون ہوگا"۔

حضرت رباب بنت امرأ القیس کے متعلق صاحب تاریخ کامل ابن اثیر نے مزید تفصیل یہ لکھی ہے۔

"کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ آپ کی زوجۂ محترمہ جناب رباب بنت امرأ القیس بھی تھیں جو آپ کی صاحبزادی سکینہؑ (سلام اللہ علیہا) کی والدہ تھیں۔ اور حضرت امام حسینؑ کے اہل بیت سے جو لوگ قید کر کے شام میں بھیجے گئے ان میں آپ بھی شامل تھیں۔ بعد واقعہ کربلا جب یزید کی قید سے رہا ہو کر واپس مدینہ آئیں تو قریش کے اشراف نے آپ سے شادی کا پیغام بھیجا۔ مگر آپ نے جواب دیا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہو بننے کے بعد اب میں کسی کی بہو نہیں بن سکتی۔ میرے لئے خاندان نبوت کی بہو ہونے کا شرف ہی سب سے بڑا شرف ہے۔ واقعہ کربلا کے بعد سال بھر تک زندہ رہیں مگر کسی چھت کے سائے میں بیٹھنا یا سونا گوارا نہ کیا۔ یہاں تک کہ مارے رنج والم کے، اسی حال میں بیمار ہو کر انتقال کر گئیں"۔

(تاریخ کامل جلد ۶ صفحہ ۳۶)

مشہور عالم دین و محقق فاضل، مولوی سید ہارون صاحب قبلہ نے اپنی مدلل و مبسوط کتاب "شہید اسلام" میں حضرت رباب کے دلی رنج وغم کی کیفیت کو اس طرح بیان کیا ہے۔

"بعد واقعہ کربلا، اہل حرم کی حالت یہ تھی کہ کسی ہاشمی عورت

نے پانچ برس تک نہ تو ہاتھوں میں مہندی لگائی اور نہ آنکھوں میں
سرمہ ۔ اور نہ کسی کے گھر سے کھانا پکنے کا دھواں اٹھتے ہوئے کسی نے
دیکھا ۔ ان سب سے زیادہ غم کی حالت جناب رباب مادر سکینہ بنت
الحسین کی تھی ۔ ایک سال تک سائے میں نہ بیٹھیں ۔ دن کو دھوپ
اور رات کو اوس ہی میں رہتی تھیں اور شب و روز امام حسینؑ کے غم
میں رویا کرتی تھیں ۔ یہاں تک کہ انتقال فرمایا" ۔

(شہید اسلام ص ۳۷۰، مطبوعہ ۱۹۲۳ء)

حضرت سکینہ کی مظلومانہ شہادت کو چھپانے کے لئے جھوٹی روایات

جناب سکینہ بنت الحسین سلام اللہ علیہا کے حالات کو بیان
کرنے سے پہلے ہم مختصراً اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ
پیغمبر اسلام حضور کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات
کے فوراً بعد ہی نہ صرف خاندان رسالت کی اہمیت و عظمت سے ہی
منہ پھیر لیا گیا بلکہ مسلمانوں نے خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے جسد اطہر سے بھی منہ پھیر لیا اور حکومت و اقتدار پر قبضہ کرنے کی
کوششوں میں ایک دوسرے سے دست بگریباں ہوگئے اور حضرت علی
اور گنتی کے چند آدمیوں نے آپؐ کے غسل و کفن اور تدفین کے کام کو
انجام دیا ۔ بقول مولانا روم

اہل دنیا کار دنیا ساختند
مصطفےٰ را بے کفن انداختند

سواد اعظم کے مقبول و مشہور مورخ علامہ شبلی نعمانی نے بھی
اس حقیقت کا اعتراف ضرور کیا ہے لیکن اس اعتراف کے بعد
مسلمانوں کے اس شرمناک فعل کی ناگواری کے تاثرات کو کم کرنے

کے لئے مختلف تاویلات بھی کی ہیں جن کا ذکر ہمارے موضوع سے باہر ہے۔ البتہ ان کا اعتراف ہم ضرور درج کریں گے اور اس کے بعد حضرت سکینہ سلام اللہ علیہا کے مقدس نام کے ساتھ جو فرضی واقعات منسوب کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کی وجوہات اور اسے رد کرنے والے مستند واقعات کے ذریعے حضرت سکینہؑ کے ذکر کے سلسلے کو جاری رکھیں گے۔ شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔

"یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہوگئی اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کرلی جائے۔ کس کے قیاس میں آسکتا ہے کہ رسول اللہ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو ان کے عشق و محبت کا دعویٰ ہو وہ ان کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں اور اس بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسند حکومت اوروں کے قبضے میں نہ آجائے۔ تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل ان لوگوں (حضرت ابوبکر و حضرت عمر) سے سرزد ہو جو آسمان اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس فعل کی ناگواری اس وقت اور زیادہ نمایاں ہوجاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرتؐ سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علیؑ و خاندان

بنی ہاشم، ان پر فطری تعلق کا پورا اثر ہوا اور اس وجہ سے ان کو آنحضرتؐ کے درد و غم اور تجہیز و تکفین سے ان باتوں (یعنی حصول خلافت کی کوششوں) کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی ....

یہ سچ ہے کہ حضرت عمر (و ابوبکر وغیرہ) آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے۔ یہ بھی سچ ہے کہ انھوں نے سقیفہ میں پہونچ کر خلافت کے باب میں انصار سے معرکہ آرائی کی اور اس طرح ان کوششوں میں مصروف رہے گویا ان پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا"۔

(الفاروق ص ۶۶)

اس اعتراف کے بعد علامہ شبلی نعمانی نے مختلف کمزور قسم کی قیاس آرائیوں پر مبنی تاویلات پیش کی ہیں کہ یہ لوگ رسول اسلام کی تدفین کے فرض سے منہ پھیر کر امر خلافت کے طے کرنے کے لئے کیوں چلے گئے اور ان کا جانا کیوں ضروری تھا۔ لیکن ان کی بیان کردہ تمام تفصیلات ہمارے موضوع سے باہر ہیں اس لئے ہم اپنے سلسلہ بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ کہنا چاہیں گے کہ نہ صرف گنتی کے چند آدمیوں کے باقی سب ہی پیغمبر اکرمؐ کی میت کو چھوڑ کر چلے گئے بلکہ جب ان لوگوں نے اپنے لئے امور خلافت کو مستحکم کرلیا تو پھر یہ

خلافت یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی ہوئی خاندان رسالت کے مورو[illegible]
دشمنوں یعنی بنی امیہ کے قبضے میں پہونچ گئی اور ان لوگوں نے ایس[illegible]
ایسی جھوٹی حدیثیں اور ایسے ایسے جھوٹے واقعات تراشے اور ترشوا[illegible]
کہ ان کے ذریعے نہ صرف خاندان رسالت کی فضیلتوں اور عظمتوں [illegible]
توہین و مذمت سے بدلنے کی کوششیں کی گئیں بلکہ خود حضور رسال[illegible]
مآب کے تقدس کو بھی داغدار کرنے کی کوشش کی گئی۔ حضور کریمؐ [illegible]
تقدس کو اس لئے کم کرنے کی کوششیں کی گئیں کہ اول تو یہ لوگ ([illegible]
امیہ) دل سے مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے بلکہ دلی طور پر اسلام ا[illegible]
پیغمبر اسلام کے دشمن تھے اس لئے ایک تو ذات رسالت سے دشمنی
جذبہ بھی تھا اور دوسرے یہ نام نہاد خلفائے اسلام اپنی بدعنوانیو[illegible]
کے لئے جواز بھی حاصل کرنا چاہتے تھے آل رسول سے ان کی (بنی ام[illegible]
کی) دشمنی ایک تو علی و پیغمبر کی اولاد ہونے کی وجہ سے تھی ا[illegible]
دوسرے یہ حسد کا جذبہ بھی تھا کہ خانوادۂ نبوت کے یہ بے مثل افرا[illegible]
خواتین ایسی فضیلتوں اور صفات حسنہ کے مالک تھے کہ عوام کے د[illegible]
ان کی طرف کھنچتے تھے اور ان کی اس مقبولیت کی وجہ سے ا[illegible]
بدعنوان، فاسق و فاجر حکمرانوں کو اپنی حکومت و سلطنت خطرے می[illegible]
نظر آتی تھی۔ خصوصاً ائمہ معصومین علیہم السلام سے تو یہ حسد ا[illegible]

[illegible]شمنی کا جذبہ اس درجہ پر تھا کہ بنی امیہ ہوں یا بنی عباس، ان تمام
[illegible]کمرانوں نے کسی امام کی زندگی کو گوارا نہ کیا اور یہ دشمنی اس حد تک
[illegible]پنی ہوئی تھی کہ یہ مخالفین خاندان رسالت کے کسی فرد کا ذکر بھی خیر
کے ساتھ سننا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ اس ذکر خیر کی دشمنی میں ان
لوگوں نے زرخرید اور بے ضمیر خوشامدی محدثین و کاذب و مفتری
مورخین کے ذریعے خاندان رسالت کے منتخب و بے نظیر افراد کے
متعلق ایسی ایسی جھوٹی کہانیوں کو مشہور کرنے کی کوشش کی جن کے
ذکر سے یہ ملکوتی صفات کے حامل افراد عام انسانوں جیسے کمزور و مجہول
کردار کے نظر آئیں۔ لیکن انھیں خبر نہیں تھی کہ گزرتے ہوئے وقت
کا ریلہ کذب و ریا کے اس خس و خاشاک کو تنکے کی طرح بہالے جائے گا
اور حاملین حق کے دشمن خود ذلیل و خوار ہو جائیں گے اور علمبرداران
حق کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔ علامہ تقی رشتی نے وضاحت کی ہے کہ
حضرت سکینہ بنت الحسین کی ہم نام ایک عورت سکینہ، جو مروان
ابن الحکم کے علاتی بھائی عامر ابن الحکم کے بیٹے علی اور پوتے حسین کی
بیٹی (سکینہ بنت الحسین بن علی بن عامر بن حکم) تھی اور سکینہ بنت
الحسین کے نام سے مشہور تھی۔ اپنے دور کی اس مشہور مغنیہ کے ذکر کو
(جس نے ۱۱۷ھ میں انتقال کیا) صرف نام کی یکسانیت کی وجہ سے

مخالفین نے خاندان رسالت کی باعظمت صاحبزادی، رسول اسلام کی پوتی، محسنہ اسلام، حضرت سکینہ بنت الحسین سلام اللہ علیہا کے ذکر سے منسوب کرنے کی کوشش کی۔ مگر یہ کوشش اس لئے ناکام ثابت ہوتی ہے کہ ان تمام افراد نے حضرت سکینہؑ کے متعلق یہ لکھنے کی کوشش کی ہے کہ واقعہ کربلا کے وقت یعنی ۶۱ھ میں آپ کا سن اقدس آٹھ یا دس برس کا تھا اور واقعہ کربلا کے بعد آپ قید سے رہا ہو کر مدینے واپس ہوئیں اور تقریباً اکیاون یا اکسٹھ برس کی عمر میں ۱۱۷ھ یا ۱۲۷ھ میں مدینے میں آپ کا انتقال ہوا۔ مگر اس بے سروپا داستان کی تردید علامہ صدرالدین محقق قزوینی، صاحب ریاض القدس اور علامہ ابن طاؤس علیہ الرحمہ صاحب مقتل لہوف کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ ان علماء نے ۱۰/ محرم ۶۱ھ کے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے حسب ذیل عبارت لکھی ہے جس سے حضرت سکینہؑ کے سنہ ولادت اور کربلا میں آپ کے سن اقدس کا پتہ چلتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں "کان للحسین علیہ السلام بنت عمرھا ثلاث ثواا اِسمُھا سکینہ"

(یعنی امام حسین علیہ السلام کی ایک تین برس کی صاحبزادی تھیں جن کا نام سکینہؑ تھا"۔)

اسی عبارت کو بقول مولف "خیرۃ النسواں" مولوی سید ولایت

حسین صاحب قبلہ کے، علامہ شہید ثالث علیہ الرحمہ نے بھی اپنی کتاب "مجالس متقین" کے صفحہ ۵۸ پہ نقل کیا ہے اور اس عبارت سے جناب سکینہ سلام اللہ علیہا کا سنہ ولادت ۵۷ھ ثابت ہوتا ہے، اور واقعہ کربلا کے وقت آپ کا سن اقدس تین اور چار برس کے درمیان ثابت ہوتا ہے۔ اسی حقیقت کی تائید علامہ شیخ مفید علیہ الرحمہ (متوفی ۴۱۳ھ) کی کتاب "الارشاد" سے یوں ہوتی ہے کہ آپ ۶۰ھ میں امام حسین علیہ السلام کے مدینے سے کربلا کی طرف سفر کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"کان للحسین علیہ السلام بنتین، فاطمہ و سکینہ وکانت فاطمہ صبیہ و ھی اکبر من سکینہ"۔

(یعنی امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ) دو لڑکیاں تھیں۔ فاطمہ سکینہ اور فاطمہ صبیہ تھیں اور وہ سکینہ سے بڑی تھیں۔

عرب میں صبیہ اس لڑکی کو کہا جاتا ہے جس کا سن چار سال سے زیادہ اور نو سال سے کم ہو۔ اور اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب حضرت فاطمہ چار اور نو سال کے درمیانی عمر والی تھیں اور جناب سکینہ آپ سے چھوٹی تھیں تو آپ کا سن جیسا کہ مشہور و معروف ہے اور اس سے پہلے کی عبارت میں پیش کیا گیا، تین اور چار سال کے مابین

ہونا چاہئے ۔

علامہ شیخ مفید علیہ الرحمہ کی کتاب "الارشاد" کے اس حوالے کو تحریر کرنے کے بعد مولوی سید ولایت حسین نقوی صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ اپنی کتاب "خیرۃ انسواں" میں لکھتے ہیں ۔

"جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ کی جلالت علمی و اظہار شان کے لئے اس قدر کافی ہے کہ یہ بزرگ، سید مرتضیٰ (علم الہدیٰ) و سید رضی (جامع نہج البلاغہ) کے استاد اور جناب امیرؑ کے معتمد علیہ ہونے کا شرف رکھتے ہیں ۔ ان کی تحریر کے خلاف لب کشائی، گویا جناب امیرؑ کے اعتماد سے مقابلہ ہے ۔ نیز اس تحریر سے کسی اور دختر امام حسینؑ الموسوم رقیہ یا زینب کے وجود و ہمراہی کی نفی بھی ہو جاتی ہے" ۔

مولوی ولایت حسین نقوی صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ نے اس وضاحت کے ذریعے ان جھوٹی اور بے اصل روایتوں کی نفی کی ہے جن کے ذریعے بعض سادہ لوح مومنین نے بھی دشمنان خاندان رسالت ، ابولفرج اصفہانی اور عبدالحلیم شرر وغیرہ کی بیان کردہ روایتوں کے ذریعے واقعہ کربلا کے وقت جناب سکینہ سلام اللہ علیہا کی عمر آٹھ یا دس سال سے زیادہ سمجھنے کی غلطی کی ہے اور زندان شام میں بجائے جناب سکینہؑ کے امام مظلوم کی ایک فرضی دختر چہار سال

رقیہ بنت الحسین (حقیقتاً سکینہ بنت الحسین) کی شہادت اور مزار مقدس کا ذکر کر کے حضرت سکینہؑ کی مظلومانہ شہادت کو چھپانے اور آپ کے مزار مقدس کے نام کو مشکوک بنانے کی کوشش کی ہے ۔
چنانچہ آج بھی حضرت سکینہ بنت الحسین کی بارگاہ کے باب الداخلہ پر بجائے آپ کے نام کے "رقیہ بنت امیرالمؤمنین علی" لکھا ہوا ہے ۔ اور اندر داخل ہونے کے بعد اصل مزار اقدس کی ضریح کے پاس "رقیہ بنت الحسین" لکھا ہوا ہے ۔

(خیرۃ انسواں ۳۶)

زندان شام میں مظلوم شہید ہونے والی اور اسی زندان میں رات ہی کو دفن کی جانے والی جناب سکینہ بنت الحسینؑ کے نام کو مشکوک بنانے کی سب سے پہلی کوشش خود قاتل حضرت سکینہؑ یزید ابن معاویہ نے اس وقت کی تھی جب شہادت کے دوسرے ہی دن شام کے رہنے والوں کو معلوم ہوا کہ زندان شام میں اہل حرم کے ساتھ مقید، چہار سالہ اس بچی کا انتقال ہو گیا جس نے دربار یزید میں بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ خطبہ دیا تھا تو شام کے کچھ مسلمانوں کے خوابیدہ ضمیر مظلومیت کے اس تازیانے کو برداشت نہ کر سکے ۔ ان لوگوں نے تلواروں کو برہنہ کر کے قصر یزید کو گھیر لیا اور اس ظلم

عظیم کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اس کے محل پر حملہ کرنے کی
کوشش کی ۔یزید نے محل کے دریچے سے پکار کر پوچھا ۔ کیا بات ہے ۔
تم لوگوں نے محل کو کیوں گھیر لیا ہے ؟ ان لوگوں میں سے ایک شخص
نے سوال کیا ۔ "یزید کیا یہ سچ ہے کہ قید خانے میں حسین ابن علی کی اس
کمسن بچی سکینہ کا انتقال ہوگیا جو تیرے دربار میں خطبہ دے رہی تھی ؟

یزید نے حضرت سکینہ کی بے پناہ مظلومیت کی حامل اس
شہادت اور تدفین کے اثر کو کم کرنے کے لئے جواب دیا ۔

- مجھے معلوم ہوا ہے کہ قید خانے میں ایک کمسن لڑکی کا انتقال
ہوگیا ہے ۔ کوئی اسے رقیہ بنت الحسین کہتا ہے اور کوئی فاطمہ بنت علی ۔
مجھے نہیں معلوم کہ اس کا نام کیا ہے" ۔

اس طرح یزید نے پہلی بار اہل شام کے دلوں میں حضرت
سکینہ کی مظلومیت کی حمایت میں خود اس کے خلاف اٹھنے والے
طوفان کو دبانے کی خاطر آپ کا نام چھپانے کی جو کوشش کی تھی، اسی کو
بنیاد بنا کر کچھ بنی امیہ کے کاسہ لیس اور بعض خاندان رسالت کی
نیک نامی یا بدنامی سے لاتعلق نام نہاد مسلم مورخین نے اپنی اپنی
روایتوں کی عمارتیں کھڑی کرنے کی کوششیں کی لیکن کچھ خاندان
رسالت کے پرستار علمائے مذہب شیعہ ایسے بھی تھے جو جان و مال اور

عزت و ناموس کی بربادی کے خوف سے ، اپنے آپ کو تقیہ کی چادروں
میں چھپائے ، باطل کی ان گمراہ کوششوں کے خلاف ، حمایت حق کے
طور پر امکان بھر کوششیں کرتے رہے اور جناب سکینہ بنت الحسین کی
قید خانۂ شام میں بے کسی و بے بسی کے عالم میں شہادت اور رات کے
اندھیرے میں بیمار اور غمزدہ بھائی امام زین العابدینؑ کے ہاتھوں ،
پھٹے ہوئے کرتے کے کفن میں آپ کی تدفین کی گواہی کو اپنی اپنی
کتابوں میں درج کرنے کے بعد پوشیدہ طور پر نسلاً بعد نسلاً ایک
دوسرے کے حوالے کرتے رہے ۔

بندشِ آب اور امت پر حضرت سکینہ کا احسان

صاحب ناسخ التواریخ لکھتے ہیں کہ جب امام حسین علیہ السلام
نے ۲۸/ رجب ۶۰ ھ کو مدینے سے سفر کا ارادہ فرمالیا تو حکم دیا کہ
مقدرات عصمت و طہارت یعنی بہنوں ، صاحبزادیوں اور دوسرے
عزیزوں کے لئے محملیں تیار کی جائیں ۔

صاحب خصائص، آقائے دربندی تحریر فرماتے ہیں
راوی کہتا ہے کہ جب امام حسینؑ مدینے سے روانہ ہونے لگے تو

چالیس محملیں تیار تھیں ۔ جو حریر و دیباسے مزین کی گئی تھیں ۔ امام عالی مقام نے حکم دیا کہ بنی ہاشم اپنے محارم کو محملوں میں سوار کروائیں ۔ اور جب تمام بیبیاں سوار ہوگئیں تو میں نے دیکھا کہ ایک جوان ہاشمی جو بلند قامت تھے اور جن کا چہرہ مثل مہتاب درخشاں تھا ۔ دولت سرا سے باہر تشریف لائے اور بآواز بلند سب ہاشمی مردوں کو کہا کہ ہٹ جائیں اور آپ نے پردے کا پورا پورا انتظام و انصرام فرمایا ۔ اس اہتمام کے بعد بیت الشرف سے دو بیبیاں برآمد ہوئیں جو نہایت شرم و وقار کے ساتھ قدم بڑھا رہی تھیں اور جو سر سے پاؤں تک چادریں اوڑھی ہوئی تھیں اور ان کے اطراف کنیزیں حلقہ کی ہوئی تھیں جب یہ بیبیاں محمل کے قریب پہونچیں تو وہ خوب صورت اور بلند قامت ہاشمی بزرگ ان دونوں کے ہاتھ تھام کر یکے بعد دیگرے ان بیبیوں کو محمل میں سوار کرانے لگے ۔ راوی کہتا ہے کہ جب میں نے یہ حال دیکھا تو دریافت کیا کہ یہ بیبیاں جن کو اس قدر انتظام و اہتمام کے ساتھ سوار کروایا گیا ہے، یہ بیبیاں کون ہیں اور وہ جوان ہاشمی کون ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ بیبیاں ، دونوں عالم کی شہزادیاں رسول اللہ کی نواسیاں ، جناب زینب و ام کلثوم ہیں اور جوان ہاشمی ، قمر بنی ہاشم حضرت ابی الفضل العباس ابن علی ابن ابی طالب ہیں ۔ ان بیبیوں

کے بعد دو کمسن لڑکیاں سوار کرائی گئیں ۔ یہ جناب امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادیاں جناب فاطمہ کبریٰ اور جناب سکینہ تھیں ۔

(سوانح جناب زینب ص ٦٦، ٦٧)

صاحب جیب السیر لکھتے ہیں کہ جب امام حسینؑ صحرائے کربلا میں پہونچے تو آپ کا گھوڑا چلنے سے رکا ۔ آپ نے پوچھا ۔ اس مقام کا نام کیا ہے ۔ ایک شخص نے کہا ۔ ماریہ ۔ آپ نے فرمایا ۔ اس مقام کا نام کچھ اور بھی ہے ؟ لوگوں نے کہا ۔ ہاں اسے کربلا بھی کہتے ہیں ۔ یہ سن کے امام حسینؑ نے فرمایا ۔ یہ جگہ کرب و بلا کی ہے اور یہ مقام ہمارے خون بہنے کا ہے ۔ پھر آپ نے وہاں اتر کر خیمے نصب کروائے ۔

(تاریخ احمدی ص ۲۳۷)

دوسری محرم ۶۱ھ کو امام حسین علیہ السلام کربلا پہونچے ، حر کا لشکر بھی دو ہزار سواروں کے ساتھ ، آپ کے ساتھ ساتھ کربلا پہونچا ۔ تیسری محرم کو عمرا بن سعد چار ہزار سواروں کے ساتھ اور بقول بعض دس ہزار سواروں کے رسالے کے ساتھ کربلا پہنچا ۔ چوتھی محرم کو خولی اصبحی دس ہزار کی فوج کے ساتھ ، پانچویں کو محمد ابن اشعث ساتویں کو شمر ابن ذی الجوشن ، دس دس ہزار سواروں کے ساتھ کربلا پہونچے اور امام حسینؑ دشمنوں کے درمیان گھرتے چلے گئے ۔ فوجیں جمع ہوتی رہیں

تاریخ کامل اور تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ ابن زیاد نے عمر بن سعد کو لکھا کہ حسینؓ سے بیعت یزید کی درخواست کر، نیز حسین اور ان کے ہمراہیوں پر پانی بند کردے۔ چنانچہ عمر بن سعد نے عمرو بن الحجاج کو مع پانچ سو سواروں کے گھاٹ پر اس غرض سے مقرر کیا کہ وہ لوگ قافلہ امام حسینؓ اور دریا کے بیچ حائل ہو کر امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو پانی لے جانے سے روکیں اور یہ واقعہ امام حسینؓ کی شہادت سے تین دن پہلے کا ہے۔

(تاریخ طبری ج ۶۔ ص ۲۳۵)

ساتویں محرم سے پانی بند کر دیا گیا۔ گرمیوں کے دن، عرب کا تپتا ہوا ریگستان، بیبیاں بیقرار تھیں۔ بچے پیاس سے تڑپ رہے تھے۔ لیکن پانی کا ایک قطرہ بھی نایاب تھا۔ نام نہاد مسلمان اپنے نبی کے نواسے کے ساتھ جو سلوک کر رہے تھے۔ اس کے متعلق تاریخ طبری میں لکھا ہے" پھر عبداللہ بن ابی حصین ازدی نے پکار کر کہا۔ اے حسینؓ کیا تم اس دریا کو نہیں دیکھتے جو کہ آسمان کی طرح نظر آرہا ہے۔ مگر یہ سمجھ لو۔ واللہ تم اس کا ایک قطرہ پانی نہ پاؤ گے۔ چاہے پیاس کی شدت سے مرجاؤ۔ یہ سن کر امام حسینؓ نے فرمایا۔ یا اللہ اس کو پیاسا ہلاک کر اور اس کی مغفرت کبھی نہ فرما۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد جب

وہ بیمار ہوا تو گھڑوں پانی پیتا چلا جاتا تھا مگر پیاس نہ بجھتی تھی اور جو پانی پیتا تھا وہ قئے کر دیتا تھا۔ آخر اسی حال میں مرگیا"۔

(تاریخ احمدی ص ۲۳۹)

"لیل عالم اہل اللہ ابو اسحٰق اسفرائینی لکھتے ہیں کہ عبیداللہ ابن زیاد نے عمر بن سعد کی مدد کے لئے مزید فوجیں روانہ کیں اور وہ سب کے سب دریائے فرات اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے خیموں کے درمیان جا اترے۔ عمر سعد نے حجر ابن حر کو بلا کر ایک جھنڈا دیا اور دو ہزار سوار ساتھ کئے اور حکم دیا کہ فلاں راستے کی حفاظت کرو اور حسین اور ان کے ساتھیوں کو فرات کا پانی پینے سے روکتے رہو۔ اور ابن ربعی کو ایک جھنڈا دیا اور چار ہزار سوار دے کر دوسرے راستے پر تعینات کیا اور حکم دیا کہ تم ادھر سے حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو پانی پینے سے روکنا یہ دونوں فوجیں اپنے اپنے مقام پر آئیں اور امام حسینؓ کو پانی پینے سے روکنے لگیں۔ جب امام حسینؓ نے یہ حال دیکھا تو ان لوگوں کے قریب گئے اور تلوار ٹیک کر کھڑے ہوئے اور فرمایا۔

اے لوگو تم مجھے جانتے ہو؟ انھوں نے کہا، ہاں۔ فرمایا، میں کون ہوں؟ کہا تم حسین بن علی مرتضیٰ ہو۔ فرمایا، میرے نانا کون ہیں کہا محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ فرمایا، میری ماں کون

ہیں - کہا فاطمہ زہرا ہیں - فرمایا، جب تم کو یہ سب کچھ معلوم ہے تو پھر کیوں کر میرا خون بہانا حلال سمجھتے ہو اور کس لئے مجھے پانی سے روکتے ہو - حالانکہ میرے والد حوض کوثر کے ساقی ہوں گے اور قیامت کے روز ان کے ہاتھ میں لوائے حمد ہوگا - ان لوگوں نے کہا ہم یہ سب جانتے ہیں مگر ہم تم کو پیاس کے ساتھ مارے بغیر نہ چھوڑیں گے - امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا - میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے، ہر متکبر شخص سے جو یوم الحساب پر ایمان نہیں رکھتا - پھر واپس آئے اور اپنے عیال کے خیمے میں چلے گئے - اس وقت ان کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی - جب عورتوں نے ان کی یہ حالت دیکھی تو رونے لگیں -

(نور العین فی مقتل الحسین ص ۸۳)

تاریخ ابن خلدون کا کہنا ہے کہ اس کے بعد یا اس کے کچھ قبل عمرا بن الزبیدی بھی پانچ سو سواروں سے نہر فرات پر متعین کیا گیا اور یہ لوگ فرات اور امام حسین کے درمیان حائل ہو گئے -

(شہید اعظم ص ۱۲۳)

افسوس ہے ان مسلمانوں اور قرآن کے ماننے والوں پر کہ جنہوں نے اپنے رسول کے نواسے پر پانی بند کر دیا اور نواسہ رسول کو

تشنگی کی تلوار سے ذبح کیا - افسوس ان کربلا کے پیاسوں پر جو نہر فرات کے کنارے پیاس کی وجہ سے مضطر و بیتاب تھے - ان پیاسوں کیا جوان، بوڑھے، بچے اور عورتیں سب ہی پیاس سے نالہ و فریاد کرتے تھے اور پانی مانگتے تھے اور کوئی ان کو پانی نہ پلاتا تھا اور کربلا کے ان پیاسے بزرگوں کے لئے سب سے زیادہ تکلیف اور غم کا وقت تو وہ ہوتا تھا جب پیاسے بچے ان تشنہ لب بزرگوں سے سوال آب کرتے تھے اور یہ بزرگ اپنے پیاس سے تڑپتے بچوں کو پانی بھی نہ پلا سکتے تھے - امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے سوال کیا - پانی کا مزہ کیا ہے تو آپ نے جواب دیا - پانی کا مزہ زندگی کا مزہ ہے - افسوس امام حسین اور آپ کے اہل حرم اور آپ کے اصحاب پر پانی بند کرنے والوں نے ان بے کس و مظلوم شہیدوں کو شہادت سے تین دن پہلے ہی زندگی کے لطف سے محروم کر دیا - صاحب شہادۃ عظمیٰ لکھتے ہیں -

علماء و محققین اہلسنت نے اس کی بھی تصریح کر دی ہے کہ اگرچہ یزیدی فوج ہزاروں ہزار تھی اور امام حسین کے ساتھ چھوٹے، بڑے، بچے ملاکر صرف ۷۲ تھے - پھر بھی اگر ابن زیاد وہ ظلم نہیں کرتا جو جانوروں پر بھی نہیں کیا جاتا، یعنی ان حضرات پر پانی نہ بند کرتا تو کبھی یہ لوگ ان حضرات کو قتل نہیں کر سکتے تھے - اور پانی بند کرنا

بھی ایک دن کے لئے نہیں تھا، دو دن کے لئے نہیں تھا، مسلسل تین دن تک تھا وہ بھی کربلا کی ریتیلی زمین پر اور اکتوبر کی شروع تاریخوں میں جب آفتاب کی گرمی سے کسی جاندار سے دھوپ میں ٹھیرا نہیں جاتا اور جب گرمی کی وجہ سے ہر شخص پانی پینے پر بھی پریشان اور بد حواس رہتا ہے۔ پھر لکھتے ہیں "یزید کی فوج گھنٹے گھنٹے پر پانی پی پی کر لڑتی رہی اور شہدائے کربلا ۲۰ گھنٹے کی پیاس میں جہاد کرتے رہے۔ جس کا نتیجہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ حضرات تلواروں، نیزوں اور تیروں سے نہیں بلکہ درحقیقت بھوک پیاس ہی سے قتل کئے گئے"۔ علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے۔ اگر یزیدی فوج امام حسین کے ساتھیوں پر تین دن تک پانی بند نہ کرتی تو کبھی حضرت پر غالب نہ آسکتی۔ جب یہ لوگ تین روز تک حضرت پر پانی بند رکھ چکے تو ایک شقی نے حضرت سے کہا۔ آپ دیکھتے نہیں پانی کیسا آسمان کے جگر کی طرح چمک رہا ہے مگر آپ مرتے وقت تک اس سے ایک قطرہ بھی چکھنے نہیں پائیں گے۔

(صواعق محرقہ ص ۱۱۸)

ان روح فرسا حالات کے درمیان جب ہم تاریخ و سیر کی کتابوں میں رسول خدا کی کمسن پوتی امام حسینؑ کی صاحبزادی جناب سکینہ بنت

الحسین کے حالات کو پڑھتے ہیں کہ شہزادی نے اس کمسنی کے عالم میں کیسے کیسے سنگین مصائب برداشت کئے اور ان مصیبتوں اور تکلیفوں کے درمیان صبر و شکر اور تسلیم و رضا کی ایسی ایسی عظیم الشان مثالیں پیش کی ہیں جنھیں دیکھ کر عقل انسانی کو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ پیغمبر کے گھرانے کے مرد اور عورتیں، بچے اور بڑے سب ہی ایک ہی کمالات کے حامل ہوتے ہیں۔ بقول صاحب سوانح زینب، جناب محمد حسین جعفری صاحب اعلی اللہ مقامہ کے۔

"محمدؐ و آل محمدؐ کے مراتب و مقامات کتابیں پڑھ لینے یا منطق و دلائل سے سمجھ میں نہیں آسکتے۔ بلکہ انؑ کے سمجھنے اور ماننے کے لئے نعمت ایمان و عرفان کی ضرورت ہے اور اس نعمت کا عطا کرنے والا اللہ جل شانہ ہے۔ پس اگر کوئی طالب ایمان اپنے خالق سے اس نعمت کا سوال کرے اور وہ اسے عطا ہو جائے تو اس وقت اس کے قلب کی آنکھوں میں اتنی بصیرت پیدا ہوگی کہ وہ نور محمدؐ و آل محمدؐ کی ضیاء کو دیکھ سکے۔ بغیر نعمت ایمان و عرفان، حقیقت محمدؐ و آل محمدؐ کی جستجو بیکار اور ان کی ولا کا دعویٰ باطل ہے۔ ہزاروں علامہ فہامہ باوجود کثرت علم کے مراتب و منازل محمدؐ و آل محمدؐ کو نہ پہچان سکے اور نہ سمجھ سکے۔ بلکہ اس بارے میں وسواس اور شکوک دلوں میں لئے ہوئے دنیا

سے رخصت ہو گئے - اور اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں -

(سوانح عمری جناب زینب ص

اس وضاحت کے بعد بقول صاحب ناسخ التواریخ،
شہزادی جناب سکینہ بنت الحسین سلام اللہ علیہا کا امت اسلامیہ
احسان سمجھ میں آتا ہے کہ صبح عاشور تین روز کی بھوک و پیاس کے
میں جب شہزادی نے اپنے پدر بزرگوار امام حسین ابن علی سے پیاس کی
شکایت کی تو امام عالی مقام نے کمسن بیٹی کا ہاتھ تھاما - عقب خیمہ
تشریف لائے اور آپ کے ہاتھ میں جو نیزہ تھا اسے زمین پر مارا - اسی
وقت زمین سے پانی کا چشمہ ابلنے لگا - فرمایا، بیٹی پانی موجود ہے - چاہو
تو تم اسے پی بھی سکتی ہو - جناب سکینہ نے آگے بڑھ کے پانی پینا چاہا
تو فرمایا - سکینہ، ذرا آسمان کی طرف نظر کرو - شہزادی نے سر اٹھایا تو
دیکھا کہ حد نظر تک بے شمار انسان نظر آتے ہیں جو مارے پیاس کے
تڑپ رہے ہیں اور پیاس کی شدت کی وجہ سے ان کی زبانیں باہر نکل
آئی ہیں جناب سکینہ نے پوچھا - بابا، یہ کون لوگ ہیں - یہ تو ہم سے
بھی زیادہ پیاسے معلوم ہوتے ہیں - فرمایا، بیٹی یہ تیرے جدامجد کی
امت ہے - یہ ہمارے دوست اور ہمارے شیعہ ہیں - بیٹی اگر آج تم یہ
پانی پی لوگی تو کل قیامت کے دن یہ سب پیاسے رہ جائیں گے - سکینہ

ان کا صبر کل روز قیامت ان کے کام آئے گا - یہ سن کے جناب
نے ہاتھ سے خالی کوزے کو پھینک دیا اور فرمایا، بابا آپ مطمئن
میں آپ کی بیٹی ہوں - میں اس قدر صبر کروں گی کہ ملائکہ آسمان
ب ہو جائیں اور جدامجد کی امت روز قیامت سیراب ہو کر رہے

دریائے فرات کے کنارے
آل رسولؐ کی پیاس

استقلال اور جرأت کا وہ مافوق الفطرت مظاہرہ جو کربلا کے
میں ہوا وہ دنیا کی تاریخ میں آپ اپنی نظیر ہے - اسلام نے تمام
کی ذہنیتوں میں انقلاب پیدا کر دیا تھا - لوگ جوق در جوق دائرۂ اسلام
میں داخل ہو رہے تھے - لیکن بہت سے ایسے تھے کہ صرف قوت
مرعوب ہو کر مسلمان ہوئے تھے اور ان کے دلوں سے کفر کا اثر
کو نہ ہوا تھا - ان (جاہل عربوں) کا اعتقاد تھا کہ جو شخص قتل کیا
، اس کی روح اس وقت تک اُلّو کے قالب میں رہتی ہے جب
تک اس کے خون کا بدلہ نہ لے لیا جائے - جنگ بدر و حنین میں

سینکڑوں صنادید عرب کام آئے تھے اور ان کی روحیں الّوؤں کے قالب میں چیخ چیخ کر اپنے وارثوں کے آرام میں خلل ڈال رہی تھیں۔ رسولؐ کا علم اقبال باوجود کوشش کے سرنگوں نہیں ہوسکا اور وادی عقبہ میں قتل کی آخری کوشش بھی ناکام رہی۔ اب ضرورت تھی کہ رسول عربی کی اولاد سے یہ بدلہ لیا جاتا۔ رسولؐ کی وفات کے بعد جو انقلاب رونما ہوا، اس کے اسباب اسی دشمنی میں پوشیدہ تھے"۔

(فلسفۂ آل محمد، صفحہ ۶۸)

ایک وقت تھا کہ جب پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کی سرزمین پر پہلی بار لوگوں کو سینکڑوں جھوٹے خداؤں کی غلامی سے نکلنے اور اللہ کی وحدانیت کو قبول کرنے کا پیام دیا تھا تو ابوسفیان، ابوجہل، ابولہب اور کافروں کے دوسرے قبیلوں کے سردار بگڑ گئے تھے کہ رسول اسلام ان کے تین سو ساٹھ خداؤں کو جھوٹا اور اپنے ایک خدا کو سچا قرار دے رہے ہیں۔ ان لوگوں نے اور ان کے ساتھ دوسرے بہت سے کافروں نے مخالفت کا طوفان اٹھایا۔ نبی آعظم کو اذیتیں پہونچائیں۔ قتل کی سازش کی۔ مدینے کی طرف ہجرت پر مجبور کیا۔ پھر اسلام اور بانی اسلام کو مٹانے کے لئے فوجیں لے کر مدینے پر بار بار حملے بھی کئے۔ اور بتوں سے محبت اور

اسلام سے دشمنی کا یہ جذبہ اتنا شدید تھا کہ ابوسفیان کی زوجہ، یزید کی دادی، ہندہ نے جنگ احد کے دن، رسول خدا کے چچا حضرت حمزہ کی شہادت کے بعد آپ کا سینہ چاک کرکے کلیجہ نکالا اور چبا گئی۔ لیکن ہر جنگ میں فتح اسلام کی ہوئی اور پیغمبر اسلام کی قیادت میں علمبردار اسلام علی مرتضیٰ کے ہاتھوں، عتبہ و شیبہ، ولید و عمرو عنتر اور بہت سے شجاع و نامور کافر مارے گئے اور اسلام کی روز بروز بڑھتی ہوئی قوت سے مجبور ہوکر ابوسفیان، معاویہ ابن ابوسفیان اور اسلام کے دشمن بہت سے سرکردہ کافروں نے بظاہر اسلام تو قبول کرلیا لیکن دلوں سے اپنے بزرگوں اور عزیز و اقارب کی موت کے انتقام کے خیال کو نہ نکال سکے مسلمانوں کے بھیس میں اسلام اور بانی اسلام کے چھپے ہوئے اِن دشمنوں کو قرآن کریم نے "منافقین" کے نام سے پہچنوایا ہے۔ یزید بظاہر مسلمان اور کلمہ گو تھا لیکن در حقیقت اسلام اور خاندان رسالت کا دشمن تھا۔ ۶۰ ھ میں معاویہ ابن ابوسفیان کی موت کے بعد جب حکومت اور اقتدار یزید کو ملا تو اس نے خیال کیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ پیغمبر اسلام کی اولاد سے بدر و احد کی جنگوں میں مارے گئے اپنے بزرگوں کا انتقام لیا جائے اور دین اسلام کو مٹا دیا جائے۔ کربلا کی جنگ میں یہی انتقامی جذبہ تھا کہ صبح سے لے کر عصر تک رسول اللہؐ کے بھرے

ہوئے گھر کو تباہ کر دیا گیا اور رسول کے گھرانے کے ایک ایک فرد کو
چن چن کر تین روز کا بھوکا و پیاسا قتل کر دیا گیا۔ رسول اسلام اور علی و
فاطمہ کی اولاد سے دشمنی اور عداوت کا یہ جذبہ کتنا شدید تھا، اس کے
متعلق مشہور عالم اہلسنت ملا جمال الدین شیرازی، اپنی کتاب روضۃ
الاحباب میں لکھتے ہیں کہ دسویں محرم ۶۱ھ کو اصحاب و انصار اور عزیز
و اقارب کی شہادتوں کے بعد، دوپہر کے وقت شدت کی گرمی اور
دھوپ میں حضرت ابوالفضل العباس ؑ میدان میں آئے اور حجت کو
تمام کرنے کے لئے دشمنوں سے فرزند رسول ؐ کے لئے پانی طلب کیا اور
فرمایا۔

"اے قوم فرزند رسول خدا نے فرمایا ہے کہ میرے بھائیوں اور
میرے ہوا خواہوں کو تو تم نے قتل کر ڈالا۔ اب کم از کم اتنا کرو کہ ہم
کو تھوڑا سا پانی دیدو، تاکہ بچے اور عورتیں تشنگی سے ہلاک نہ ہوں۔
حضرت عباس کا پر درد کلام سن کر بعض تو خاموش رہے اور اکثر زار زار
رونے لگے لیکن شمر ابن ذی الجوشن اور شیث ابن ربعی نے سامنے آکر
کہا۔ "اے علی ؑ کے بیٹے۔ جاکر اپنے بھائی سے کہہ دو کہ اگر تمام روئے
زمین پانی ہو کر ہمارے تصرف میں آجائے۔ تب بھی ہم اس سے ایک
قطرہ بھی تم کو اس وقت تک نہ دیں گے جب تک یزید کی بیعت نہ

کروگے"۔

یہ جواب سن کر حضرت عباس ؑ دشمنوں پر نفرین کرتے ہوئے
واپس آئے اور جو کچھ شمر وغیرہ سے سنا تھا امام حسین ؑ کی خدمت میں
عرض کیا جسے سن کر امام حسین ؑ نے فرط غم سے سر جھکا لیا۔ ناگہاں خیمے
میں بچوں کی صدائے العطش العطش (ہائے پیاس ہائے پیاس) بلند
ہوئی۔ حضرت عباس ؑ اہل بیت رسالت کی فریاد و زاری سن کر
بے تاب ہو گئے۔ کمسن بھتیجی سکینہ سے مشکیزہ لیا اور فرات کی طرف
روانہ ہوئے۔ راوی کہتا ہے کہ دریائے فرات پر ابن سعد کی چار ہزار
فوج متعین تھی۔ جب حضرت عباس ؑ نے ادھر کا رخ کیا تو وہ فوج مانع و
سدراہ ہوئی۔ حضرت عباس ؑ نے ان لوگوں سے پوچھا۔ آیا تم لوگ کافر
ہو یا مسلمان۔ انھوں نے کہا۔ ہم مسلمان ہیں۔ حضرت عباس ؑ نے
فرمایا۔ مذہب اسلام میں کہاں جائز ہے کہ سگ و خوک اور چرند و پرند
تو اس دریا سے سیراب ہوں اور پیغمبر کے نور نظر و فاطمہ زہرا کے لخت
جگر محروم رہیں۔ کیا تم کو تشنگی روز قیامت کا ذرا بھی خوف نہیں۔ یہ
سن کر اشقیا نے دور سے حضرت عباس ؑ پر تیر برسانے شروع کئے۔
حضرت عباس ؑ نے حملہ کر کے انھیں متفرق کر دیا۔ اور گھوڑے کو
دریا میں پہونچایا ہی تھا کہ پھر ابن سعد کے سواروں نے آگھیرا۔

حضرت عباسؑ نے ان سواروں کو بھی منتشر کر دیا۔ اس طرح کئی بار
حملہ کرنے کے بعد گھاٹ پر قبضہ کر کے آپ نے مشک پانی سے بھری
اور داہنے ہاتھ میں مشک لئے ہوئے خیمے کی جانب روانہ ہوئے۔
ناگہاں عمر بن سعد کی فوج نے ان کو پھر چاروں طرف سے گھیر لیا اور
نوفل ابن ارزق شامی نے ایسی ضرب لگائی کہ آپ کا داہنا ہاتھ کٹ گیا
جیسے ہی داہنا ہاتھ شانے سے جدا ہوا آپ نے بے ساختہ فرمایا۔

والله ان قتعتم یمینی انی احامی ابداً عن دینی

(تم نے میرا داہنا ہاتھ کاٹ دیا تو کیا ہوا۔ میں تو مر کر بھی اپنے
دین کی حفاظت کروں گا) پھر آپ نے مشک بائیں کندھے پر رکھ لی۔
دشمنوں نے آپ کا بایاں ہاتھ بھی قلم کر ڈالا۔ حضرت عباسؑ نے
مشک دانتوں سے پکڑی۔ اتنے میں ایک شقی نے ایسا تیر مارا کہ مشک
میں سوراخ ہو گیا اور جتنا پانی اس میں تھا سب گر کر خاک میں مل گیا
حضرت عباسؑ مجروح ہو کر گھوڑے سے گرے اور جام شہادت نوش
کیا۔

(تاریخ احمدی، صفحہ ۱۶۹)

سقائے اہل حرم، علمدار لشکر حسینی، حضرت ابوالفضل

العباس علیہ السلام کی اس بے مثال جانثاری کے باوجود، دریائے
فرات سے ایک مشک پانی بھی خیمے میں نہ پہونچ سکا اور خیمہ گاہ کے
تمام بچوں اور بی بیوں کے ساتھ سکینہ بی بی بھی پیاسی ہی رہیں۔

صاحب مقتل لہوف، حضرت ابوالفضل العباسؑ کے بعد
حضرت علی اکبرؑ کی شہادت اور آپ کی پیاس کا حال بیان کرتے ہوئے
لکھتے ہیں۔ جب کوئی باقی نہ رہا اور حسینؑ اکیلے رہ گئے تو آپ سے
اجازت لے کے نوجوان علی اکبرؑ میدان کی طرف بڑھے۔ امام عالی
مقام نے بیٹے کو مرنے کی اجازت تو دے دی مگر ساتھ ہی علی اکبرؑ کو
ایک نگاہ یاس سے دیکھا اور آنکھوں میں آنسو آگئے۔ درگاہ الہی میں
عرض کیا۔ اے میرے پروردگار گواہ رہنا کہ اب اس قوم کے ہاتھوں
قتل ہونے کو میرا وہ فرزند جاتا ہے جو صورت و سیرت اور رفتار و گفتار
میں سب سے زیادہ تیرے رسول سے مشابہ ہے۔ جب کبھی ہم
اہل بیت تیرے نبی کی زیارت کے مشتاق ہوتے تو اسی شبیہ پیغمبر کو
دیکھ کر ہمارے دلوں کو تسکین ہوتی تھی۔ علی اکبرؑ میدان میں پہونچے۔
بہت سے اشقیاء کو موت کے گھاٹ اتارا۔ پھر اپنے پدر بزرگوار کی
خدمت میں واپس آئے اور عرض کیا بابا جان پیاس کی شدت مجھے
مارے ڈالتی ہے بیٹے کی پیاس کا حال سن کر امام حسینؑ بے اختیار رو

دئیے اور فرمایا - ہائے اے بیٹا یہ ضعیف باپ تیرے لئے کہاں سے پانی لائے - علی اکبرؑ تھوڑی دیر صبر کرکے اور لڑو اور یقین جانو بہت جلد تم اپنے جدا مجد کی خدمت میں پہنچو گے اور وہ تمہیں شربت کے لبریز جام سے سیراب کردیں گے - جس کے بعد پھر تمہیں کبھی پیاس کی تکلیف نہ ہوگی - یہ سن کر علی اکبرؑ پھر مقتل میں آئے اور شدت کی جنگ کی - آخر منقذ بن مرہ عبدی نے ایک نیزہ لگایا اور علی اکبرؑ گھوڑے سے زمین پر گر پڑے اور پیاسے ہی دنیا سے رخصت ہوے" -

(مقتل لہوف، صفحہ ۷۲)

پیاس - ہائے پیاس - وہ پیاس کہ جس کے ذکر سے ہی کربلا والے یاد آتے ہیں - پیاسے چہرے یاد آتے ہیں - کربلا کے ان بے کس و مظلوم پیاسوں کی پیاس کا مکمل تذکرہ تو کسی سے ممکن نہیں لیکن حضرت سکینہ بنت الحسین سلام اللہ علیہ کے حالات کو بیان کرتے ہوئے، کربلا کے بعض شہیدوں کی پیاس اور شہادت کا مختصر سا تذکرہ اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ کچھ تو کربلا والوں کی پیاس کا اندازہ ہوسکے اور اس کمسن شہزادی کی مصیبتوں کا احساس ہوسکے کہ جناب سکینہؑ ان تمام روح فرسا حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتی رہیں اور صبر کرتی رہیں - خاندان رسالت کی اس کمسن شہزادی نے صبر کے وہ جوہر

دکھائے کہ قیامت تک اس صبر کی مثال ممکن نہیں - دسویں محرم ۶۱ ھ کو صبح سے لے کر عصر تک سکینہ کے لئے مصیبتوں اور آفتوں کا تسلسل تھا - کبھی عون و محمد کی خون بھری میتوں پر روئیں کبھی قاسم ابن حسن کی پارہ پارہ لاش پر بین کئے - کبھی بھیا علی اکبر کے سینے میں برچھی کا پھل دیکھا اور کبھی چاہنے والے چچا کے کٹے ہوئے شانے دیکھ کر روئیں - اور گریہ وزاری بے صبری نہیں بلکہ اظہار مظلومیت کا ایک فطری **عمل** ہے - آنکھیں روتی ہیں مگر دل صابر ہوتا ہے - اس لئے کہ صبر کی منزل دل ہے - دل اگر مصیبتوں پر حکم خدا سمجھ کر راضی رہے تو اظہار غم میں مضائقہ نہیں - اور اس حقیقت سے بھی کسی کو انکار نہیں کہ جب غم کی آگ بھڑکتی ہے اور صبر کیا جاتا ہے تو پیاس لگتی ہے - اور جب جب انسان روتا ہے تو پیاس بھڑکتی ہے - اب نہیں معلوم جناب سکینہ کی پیاس کتنی ہوگی - کون اس جان لیوا پیاس کا صحیح احساس کرسکتا ہے - غم اور تکلیف، بھوک اور پیاس کے عالم میں دسویں محرم کا دن گزرتا رہا - کمسن شہزادی سکینہ کے لئے خیمہ گاہ اقدس کا ہر منظر غم واندوہ سے بھرپور تھا - چاہے کسی مجاہد کی خیمے سے میدان کی طرف رخصت ہو یا کسی شہید کی لاش کی آمد - یہاں تک کہ عصر تنگ کا وقت قریب آپہونچا - اور اب سکینہ کے چاہنے والے بابا حسین اکیلے ہوگئے

اور یہ وہ وقت تھا کہ

لو چل رہی تھی، پیاس تھی، وقت زوال تھا
بے چین رن میں دھوپ سے زہرا کا لال تھا

تاریخ اعثم کوفی کا بیان ہے کہ ایسے موقع پر جناب سکینہ کی حسرتناک نگاہوں نے یہ منظر بھی دیکھا کہ امام حسین علیہ السلام اپنے شیر خوار بچے علی اصغر کو جو پیاس کی شدت سے ہنایت مضطرب تھے۔ دشمنوں کی صفوں کے سامنے لائے اور فرمایا۔

"اے ظالمو تمہارے ذہن ناقص میں اگر میں گناہ گار ہوں تو اس بچے نے تو کوئی خطا ہنیں کی ہے۔ اسے ایک گھونٹ پانی پلادو تاکہ اس معصوم کی جان بچ جائے۔ (اعثم کوفی)

"اف وہ کیسا دردخیز اور دل فگار منظر تھا جب حسین اپنے ششماہے بچے کو ہاتھوں پر رکھے ہوئے چند قطرۂ آب کا سوال کر رہے تھے۔ مظلومی اور بے کسی کے اس مظاہرے پر کائنات کانپ اٹھی ہوگی۔ ہر صاحب دل اور صاحب شعور مخلوق بے چین ہوگئی ہوگی، مگر یزیدی فوج ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اور اس طرح ان لوگوں نے عملاً یہ اعلان کر دیا کہ ہم اسلامؑ ہی سے ہنیں بلکہ انسانیت سے بھی دور ہیں۔

سچ مچ وہ درندے تھے بلکہ ان سے بھی بدتر۔ یا پتھر تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت۔"

(فلسفۂ آل محمد، صفحہ ۱۰۰)

حسین اپنے بچے کو دونوں ہاتھوں پر اٹھائے کھڑے تھے۔ شیر خوار علی اصغر کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ چہرہ زرد، لب خشک اور منکا ڈھلا ہوا تھا۔ ایسے عالم میں حرملہ بن کاہل اسدی ملعون نے ایک تیر چلایا جو شیر خوار بچے کے گلے کو چھیدتا ہوا امام کے بازو میں پیوست ہوگیا اور بچے کی روح پرواز کر گئی۔ امام حسینؑ لاش لے کر واپس آئے اور ماں کی گود میں دے کر آہستہ سے فرمایا۔

"رباب صبر کرو۔ تمہارا بچہ حوض کوثر سے سیراب ہوگیا۔"

(تاریخ اعثم کوفی)

صاحب "غم حسین" لکھتے ہیں۔ بچے کو تیر لگنے کے بعد فرمایا۔

"خداوندا، حسین اب بھی صابر ہے اور تیری مرضی پر راضی"۔

تاریخ طبری میں ہے کہ یہ بھی فرمایا۔ "اے میرے معبود۔ اگر اس وقت میری نصرت تیری مصلحت کے خلاف ہے تو میرے مصائب کو موجب زیادتی ثواب آخرت فرما اور ان سے میرا انتقام لے

مقتل ابو مخنف اور مقتل نور العین میں ہے کہ جب دو بوند پانی کے سوال پر شیر خوار علی اصغر کو تیر ظلم سے پیاسا شہید کر دیا گیا تو اس کے بعد امام حسینؑ خود آمادہ شہادت ہوئے اور بی بیوں کی طرف دیکھ کر فرمایا۔

"اے زینب، اے ام کلثوم، اے سکینہ، اے عاتکہ، اے فضہ، تم پر میرا سلام ہو کہ یہ آخری اجتماع ہے"۔ حضرت ام کلثوم نے پوچھا۔ اے بھائی کیا آپ نے موت کو تسلیم کر لیا۔ فرمایا "کیسے تسلیم نہ کروں کہ اب کوئی ناصر و مددگار باقی نہیں"۔ یہ سن کر تمام بی بیوں میں رونے کا کہرام مچ گیا"۔

(نور العین ۔ ابو مخنف)

ابو اسحٰق اسفرائینی لکھتے ہیں کہ ایسے عالم میں جب امام حسین نے حضرت سکینہ کو شدت غم سے روتا ہوا دیکھا تو حضرت نے اپنی اس چہیتی بیٹی کو سینے سے لگا لیا۔ پیار کیا اور آنسو پونچھ کر فرمایا۔

سیطول بعدی یا سکینة فاعلمی

منک ابکاء اذ الحمامه دهانی

(اے میری پارۂ جگر سکینہ، میرے بعد تو تمہیں بہت رونا ہے

اس وقت رو کر میرے قلب کو اور غمزدہ نہ کرو)۔

فاذا قتلت فانت اولی بالذی

تاتینه یاخیرة النسوانی

(اے خیرۃ النسوان، اے بہترین زنان، جب میرا انتقال ہو جائے، تب میری بچی تم سب سے زیادہ رو لینا)۔

(مقتل نور العین، صفحہ ۱۱۶)

اس کے بعد بیمار فرزند امام زین العابدینؑ کے بستر کے قریب آئے۔ تسلی و دلاسہ دیا۔ اسرار امامت سپرد فرمائے۔ آخری وصیتوں میں ایک وصیت یہ بھی فرمائی۔ بیٹا سید سجاد میرے شیعوں کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ تمہارا امام غربت (مسافرت)) کے عالم میں پیاسا شہید کر دیا گیا۔ ان سے کہنا کہ جب کبھی ٹھنڈا پانی پینا تو حسینؑ کی پیاس کو یاد کر لینا"۔ سب سے رخصت ہو کر خیمے کے دروازے کی طرف چلے جناب زینب نے بازو کو تھام کر گھوڑے پر سوار کروایا۔ گھوڑا آہستہ آہستہ میدان کی طرف چلنے لگا لیکن چند قدم چل کر رک گیا۔ تمام معلومات کے امام نے فرمایا۔ اے ذوالجناح، میں جانتا ہوں کہ تو بھی تھک چکا ہے۔ لیکن یہ حسین کی آخری سواری ہے۔ اسپ باوفا نے سر

کو بلند کر کے امام کی طرف گردن پلٹائی ۔ بے زبان جانور کی آنکھ
سے آنسو جاری تھے ۔ بے زبان نے گردن کو جھکا کر زمین کی طرف اش
کیا ۔ امام حسین نے دیکھا کہ چھپتی سکینہ گھوڑے کے قدموں سے
ہوئی گریہ فرما رہی ہیں ۔ حسین گھوڑے سے اترے ۔ بیٹی کو گود میں
اور تسلی و دلاسہ دینے لگے ۔ یہ سکینہ کی اپنے چاہنے والے باپ
آخری ملاقات تھی ۔ امام حسینؑ آخری رخصت کے وقت مع
سکینہ کی خواہش پر تپتی ہوئی زمین پر لیٹ گئے اور معصوم شہز
سکینہ نے غربت سے باپ کے سینے پر رخسارہ رکھ کر آنکھیں بند کر
بڑا دردناک منظر تھا ۔ بی بیاں دروازۂ خیمہ سے اس منظر کو دیکھ
رہی تھیں ۔ ملائکہ آسمان گریہ کر رہے تھے چند لمحوں کے بعد امام
مقام نے سکینہ کو خیمے میں پہونچایا اور دوبارہ میدان کی طرف
ابو اسحٰق اسفرائینی (متوفی ۴۱۸ھ) اپنے مقتل میں لکھتے ہیں کہ مید
میں پہونچ کر آپ نے حجت کو تمام کرنے کے لئے لشکر یزید سے
فرمایا ۔

"لوگو ۔ افسوس ہے تم پر ۔ آخر کس قصور پر تم مجھ کو قتل کر
ہو ۔ کیا میں نے تم میں سے کسی کا خون بہایا ہے ۔ یا شریعت رسو
بدلا ہے ۔ یا کسی عہد کو توڑا ہے ۔ آخر کیوں میرے قتل پر جمع ہو

یہ سن کر اس قوم نے جواب دیا ۔ "اے حسین ہم تو تم کو
تمہارے باپ کے بغض کے سبب سے بطور انتقام قتل کرتے ہیں" ۔
(مقتل نور العین، صفحہ ۱۱۸)

اس جواب سے اور کربلا کے تمام مظالم پر نظر کرنے سے، یہ
حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ بعد رسول نام نہاد مسلمانوں کی اکثریت
کے دلوں میں اسلام اور رسول اسلام کے خلاف جو غم و غصہ تھا اسے
اولاد رسول کو سہنا پڑا ۔ اور اولاد علی و فاطمہ کا ایک ایک بچہ ان
منافقوں کے غیظ و غضب و ظلم کا شکار ہوا ۔ یہاں تک کہ شیر خوار علی اصغر اور
چار سالہ سکینہ بنت الحسین کو بھی اولاد علی و اولاد رسول ہونے کی قیمت
چکانی پڑی ۔ چنانچہ خود قرآن حکیم نے بھی اس حقیقت کا اعلان فرمایا

الاعراب اشد کفراً و نفاقا.
(عرب کفر اور نفاق میں شدید ہیں)

کربلا کے میدان میں تمام بنی فاطمہ اور ان کے دوستوں کے بیدردانہ
قتل عام کے علاوہ شیر خوار علی اصغر کی شہادت اور کمسن سکینہ
بنت الحسین پر بے انتہا مظالم کے بعد قید خانے میں آپ کی شہادت سے
ظاہر ہو جاتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ اور علی و اولاد علی کے لئے ان اشقیاء

کے دلوں میں کس قدر شدید بغض و کینہ موجزن تھا اور یہ بغض و کینہ صرف اسی لئے تھا کہ دین اسلام کے قیام اور اس کی بقا کے لئے رسول اللہ کو چند دفاعی لڑائیاں لڑنی پڑی تھیں اور ان لڑائیوں میں بعض سرداران کفار، اسلام کو مٹانے اور رسول اسلام کو قتل کرنے کی کوشش میں حضرت علی مرتضیٰ کی تلوار سے مارے گئے تھے۔

آل رسول کے لئے منافقوں کے دلوں میں یہ بغض و کینہ آج بھی باقی ہے۔ آج بھی ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمان ایسے ہیں جن کے دلوں میں آل محمدؐ کی عداوت ایسی ہی شدت کے ساتھ ہے جیسی بنی امیہ اور یزیدیوں کے دلوں میں تھی۔ اگرچہ لعنت ملامت کے خوف سے وہ اس عداوت کو کھلم کھلا ظاہر نہیں کرتے۔ تقیہ سے کام لیتے ہیں منہ سے آل محمدؐ اور اہل بیت کی دوستی کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن ان کے اعمال و کردار سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے قلوب میں محبت نہیں۔ **یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم** (یہ لوگ منہ سے جو کہتے ہیں وہ ان کے دلوں میں نہیں ہے)۔ حضرت عبدالقادر جیلانی نے دسویں محرم، روز شہادت حسین کو عید کا دن قرار دیا اور خوشی منانے کی تلقین کی۔ (غنیۃ الطالبین، صفحہ ۴۵۹) اور نام نہاد مسلمانوں کی اس عید اور خوشی کو ہم ہر سال آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ ہر سال

دسویں محرم کو بہت سے مسلمان عید مناتے ہیں اور سب مرد اور عورتیں اور خصوصاً عورتیں لباس فاخرہ پہنتی ہیں۔ عطر، مسی اور [illegible] لگاتی ہیں۔ بچوں کو عید کا لباس پہنایا جاتا ہے۔ اگر معاشرتی معاملات کی وجہ سے کبھی ان کی بعض عورتیں مجالس سیدالشہداء میں آتی بھی ہیں تو ایسا لباس پہن کر آتی ہیں جو شادی بیاہ یا کسی خوشی کی تقریب کے لئے تو موزوں ہوتا ہے لیکن اسے غم و ماتم کی مجلس سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ یہ تو خیر جہلاء اور ان مسلمانوں کا حال ہے جنہیں آل رسول کی صحیح معرفت نہیں اور جو نہیں جانتے کہ حقیقی اسلام کے قائم کرنے کے لئے خاندان رسالت کے بچے بچے نے کتنی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ لیکن ہمارا شکوہ تو ان صاحبان علم سے ہے جنہوں نے اپنے خودساختہ اسلام کی وضاحت کے لئے عمر بھر قلم چلانے کی کوشش کی۔ تفسیریں لکھنے کی کوشش کی۔ رسول اسلام کے ناخن، بال اور عصا و نعلین تک کے تقدس و عظمت کو سمجھانے کے لئے ہزاروں صفحات سیاہ کر ڈالے لیکن علی و اولادِ علی و رسول نے اسلام اور رسول اسلام کی حفاظت اور بقا کے لئے جو قربانیاں دیں، اور قرآن و حدیث کی رو سے ان آل رسول کی محبت و مودت کی جو اہمیت ہے اسے نظرانداز کرنے بلکہ رسول اسلام کے ان جگر گوشوں کے تقدس

اور فضیلت کو گھٹانے کے لئے" اسلام میں بڑائی اور بزرگی اور قیادت
وراثت میں نہیں ہے" کہہ کے ان کی ذاتی بزرگیوں اور فضیلتوں سے
بھی چشم پوشی کی ۔ بلکہ آل رسول کی فضیلت و عظمت کو گھٹانے کے
لئے خودساختہ اسلامی اصولوں کے انبار جمع کرتے رہے یہاں تک کہ
ان کی اہمیت کو ایک عام مسلمان کے درجے سے بھی کمتر دکھانے کی
کوششیں کیں ۔ مولانا ابوالکلام آزاد اپنی کتاب "مسئلہ خلافت" میں
لکھتے ہیں ۔" امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے فرمایا جب کبھی کوئی مسلمان ، دوسرے مسلمان کی
طرف ہتھیار سے اشارہ کرتا ہے تو فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں" ۔
فتح الباری میں ہے ۔ ابن العربی نے کہا" جب صرف ہتھیار اٹھا کر اشارہ
کرنے کی نسبت ایسی شدید وعید آئی کہ فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں
تو اس بدبخت کا کیا حال ہوگا جو صرف اشارہ ہی نہ کرے بلکہ سچ مچ
اپنے ہتھیار سے ایک مسلمان کو قتل کر ڈالے" (ص!!) کسی بھی عام کلمہ گو
کے دل کو دکھانا اور اسے ڈرانا کتنا عظیم گناہ ہے ، یہ سمجھانے کے لئے
ابوالکلام آزاد نے صفحوں کے صفحے سیاہ کر ڈالے جن جن کے احادیث کا
انبار لگادیا ۔ لیکن جب واقعات کربلا کے متعلق کتاب لکھی اور
مضامین لکھے تو دریائے فرات کے کنارے آل رسول کو پیاسا قتل

[کر]نے والوں کے متعلق انداز تحریر ایسا رکھا کہ ان قاتلوں کے جرم کی
[سنگی]نی کم سے کم نظر آئے اور قاتل حسین ، یزید ابن معاویہ کو اس جرم
[سے ب]ری بلکہ اہل حرم کا محسن ثابت کرنے کے لئے تلاش کر کر کے
[ا]یسی جھوٹی روایتیں جمع کرنے کی کوشش کی جس سے یزید کے جرم کا
[بوجھ] ہلکا ہوسکے !!

صاحب مقتل نورالعین لکھتے ہیں کہ جب یزید کے لشکر والوں
[نے] کہا ۔ اے حسینؑ ہم تم کو تمہارے باپ کی دشمنی اور عداوت کی وجہ
[سے] قتل کرنا چاہتے ہیں تو یہ سن کر امام حسینؑ بہ نہایت غضبناک ہوئے
اور [آگے] بڑھ کر حملہ فرمانے لگے ۔ فرزند حیدر کرار نے اس شد و مد کے
[ساتھ] جہاد کیا کہ تیس ہزار کے لشکر کو شکست دے کر نہر فرات تک
[پہن]چ گئے لیکن پانی نہ پیا ۔ دشمن بار بار آپ کو گھیرتے رہے اور آپ پر
[حم]لہ کرتے رہے ۔ امام حسین بھی راہ خدا میں شدت سے جنگ کرتے رہے
[...] اور زخمی ہوتے جارہے تھے ۔ ایسے عالم میں کون بتا سکتا ہے کہ اس
[وقت] امام حسینؑ کی پیاس کس شدت کی ہوگی ہم کو امام حسینؑ کی پیاس
[کی] بھی کیفیت نہ معلوم ہوتی اگر معصوم کا یہ ارشاد نہ ملتا کہ " آخری
[لمح]وں کے دوران امام حسینؑ کی پیاس کا یہ عالم تھا کہ آپ کے اور
[آسم]ان کے درمیان دھواں بن کر پیاس نے پردہ ڈال دیا تھا" ۔

عالم اہل سنت صاحب "غم حسین" مولانا حسن میاں صاحب پھلواروی لکھتے ہیں کہ اس وقت ظالموں نے یہاں تک شقاوت و سنگدلی کی کہ بلور کے پیالے میں پانی بھر بھر کر دور سے امام حسین علیہ السلام کو دکھاتے تھے اور حضرت امام مظلوم ان سے اپنے جد امجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دے کر وہ پانی مانگتے تھے لیکن کسی کو رحم نہ آتا تھا اور وہ اشقیاء سامنے سے بھرا ہوا بلوری پیالہ ہٹا لیتے تھے۔ اسی لئے بزرگان دین اور محبان اہل بیت نے جام بلور میں پانی پینا مکروہ اور خلاف ادب جانا ہے۔

(شہید اعظم، صفحہ ۲۰۴)

مقتل نور العین میں ہے کہ جب امام حسینؑ تلواروں، نیزوں اور تیروں سے زخموں میں چور ہو کر، سر سے پاؤں تک خون میں نہائے ہوئے گھوڑے سے زمین پر گرے تو گرتے ہوئے فرمایا۔ بسم الله وبالله وعلی ملت رسول الله۔ (اللہ کے نام سے، اللہ کے لئے، رسول اللہ کی ملت پر) شمر ملعون ذبح کے ارادے سے قریب پہونچا تو اس وقت امام حسینؑ پیاس کی شدت کی وجہ سے اپنی زبان مبارک چبا رہے تھے۔ شمر سے فرمایا، اگر مجھے قتل کرنا ہی چاہتا ہے تو مجھے تھوڑا سا پانی پلا دے۔ اس ملعون نے جواب دیا۔ اے ابو تراب کے بیٹے۔

تمہارا یہ گمان ہے کہ تمہارے باپ اپنے دوستوں کو حوض کوثر سے سیراب کریں گے، تو صبر کرو تاکہ ساقی کوثر اپنے ہاتھوں سے تم کو پانی پلائیں (نور العین، صفحہ ۱۲۷) یہ جواب سن کر امام حسین نے نماز کی مہلت مانگی لیکن ابھی سجدہ تمام نہیں ہوا تھا کہ شمر ملعون نے آپ کے سر اقدس کو تن سے جدا کر دیا۔

(شہید اعظم، بحوالہ روضۃ الشہداء، صفحہ ۲۱۰)

مقتل ابی مخنف، مقتل نور العین اور تاریخ طبری وغیرہ میں ہے کہ امام حسینؑ کا سر مبارک جسم اقدس سے جدا کرنے کے بعد ایک طویل نیزے پر بلند کیا گیا اور لشکر یزید نے تین بار تکبیر کی آواز بلند کی۔ ان تکبیروں کو سن کر کسی نے کہا۔

ویکبرون از قتلت وانما
قتلوبک التکبیر والتهلیل

(آپ کو قتل کر کے تکبیر کہہ رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کو قتل کر کے ان لوگوں نے تکبیر و تہلیل کو قتل کر ڈالا)

مقتل ابی مخنف، تاریخ اعثم کوفی اور مقتل نور العین میں لکھا ہے کہ جب امام حسین کی شہادت ہو چکی تو آپ کا گھوڑا (گھوڑے کا

نام کسی نے زوالجناح اور کسی نے میمون لکھا ہے) آپ کے جسم اقدس کے گرد چکر لگانے لگا اور آپ کے خون میں اپنی پیشانی ملنے لگا۔ اس زور سے ہنہناتا تھا کہ آواز دور تک گونج رہی تھی۔ پھر اہل حرم کے خیمے کی طرف گیا اور اس کی آواز اور شور و غوغا سن کر تمام بی بیاں اور جناب سکینہ خیمے کے دروازے پر آئیں۔ جناب سکینہ نے دیکھا کہ بابا کی سواری کا گھوڑا اس طرح کھڑا ہے کہ باگیں کٹی ہوئی ہیں زین ڈھلا ہوا ہے اور پیشانی خون سے رنگین ہے اور بے زبان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ یہ دیکھ کر جناب سکینہ نے روتے ہوئے کہا۔ افسوس اے میمون (ذوالجناح) تو نے حسین کو کھو دیا اور اب ہنہناتا اور چیختا ہوا ہمارے خیمے کی طرف آیا ہے۔ اے میمون بتا کہ تو نے سبط پیغمبر کو کہاں چھوڑا اور وہ بزرگوار کہاں ہیں۔

(نور العین، صفحہ ۱۳۳)

مقتل نور العین، تاریخ طبری و تاریخ اعثم کوفی وغیرہ میں لکھا ہے کہ ابھی امام حسین علیہ السلام کی لاش مبارک سرد بھی نہ ہونے پائی تھی کہ آپ کا عمامہ مبارک، زرہ پیراہن، جوتے، چادر، کپڑے اور تلوار وغیرہ سب کچھ لوٹ لیا گیا۔ مقتل لہوف میں یہ بھی ہے کہ ایک ملعون نے انگوٹھی اتارنے کی کوشش کی اور جب اتارنے میں مشکل

ہوئی تو اس ظالم نے تلوار کے ایک ٹکڑے سے انگلی ہی قطع کر دی۔

(مقتل لہوف، صفحہ ۸۶)

ابو مخنف لکھتا ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد جس وقت عورتیں رو رہی تھیں۔ ابن سعد وہاں آیا اور اپنے لشکر والوں سے بلند آواز میں پکار کر کہا، وائے ہو تم پر۔ ان خیموں میں جاؤ۔ تمام چیزیں لوٹ لو، اور ان خیموں کو اور جو کچھ ان خیموں میں ہے اسے آگ لگا دو۔ لشکر والے لوٹ کے لئے خیموں میں داخل ہو گئے اور اسباب، فرش، یہاں تک کہ عورتوں کی چادریں اور امام زین العابدینؑ کا بستر بھی لوٹ لیا۔

(شہید اعظم، صفحہ ۲۱۴)

تاریخ طبری اور مقتل لہوف میں ہے کہ حمید ابن مسلم کا بیان ہے، قبیلہ بکر بن وائل کی ایک عورت نے (جو اپنے شوہر کے ساتھ عمر سعد کے لشکر میں موجود تھی) جب ظالم سپاہیوں کو خیام اہل بیت میں گھستے ہوئے اور رسول اللہؐ کی نواسیوں کو لٹتے ہوئے اور فریاد کرتے ہوئے دیکھا تو اس نے تلوار اٹھالی اور اہل حرم کی مدد کے لئے شمشیر بکف آگے بڑھتے ہوئے اپنے قبیلے والوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ اے قبیلہ بکر والو۔ کیا غضب ہے کہ رسول کی بیٹیاں لوٹی جا رہی ہیں اور تم

دیکھ رہے ہو ۔ یاد رکھو حکومت تو اللہ ہی کی ہے ۔ اللہ کے دشمنوں کی رعایت نہ کرو اور رسول کی بیٹیوں کو بچانے کے لئے کھڑے ہو جاؤ" ۔ یہ دیکھ کر اس کے شوہر نے اسے پکڑ لیا اور سمجھا کر اپنے خیمے کی طرف واپس لے گیا ۔ حمید ابن مسلم کہتا ہے کہ مال و اسباب کی لوٹ کے بعد خیام اہل بیت میں آگ لگا دی گئی تو محذرات عصمت و طہارت باہر نکل پڑیں ۔ حالت ان کی اس وقت یہ تھی کہ سب کی سب سر و پا برہنہ (ننگے پاؤں ننگے سر) تھیں وہ بے کس و مظلوم عورتیں اپنی مصیبت پر رو رہی تھیں اور فریاد کر رہی تھیں (مقتل لہوف ۔ صفحہ ۸۸) بحر المصائب میں ہے کہ جس وقت خیموں میں آگ لگی ہوئی تھی اس وقت جناب سکینہ کا یہ حال تھا کہ شمر ملعون کے ظلم عظیم کی وجہ سے آپ کے گال نیلے ہو گئے تھے ۔ کان زخمی کر کے گوشوارے چھین لئے گئے تھے ۔ کرتے کے دامن میں آگ لگی ہوئی تھی اور کمسن شہزادی اس آگ سے خوفزدہ ، یا ابی یا ابی (اے میرے بابا ، اے میرے بابا) کی آواز دیتی ہوئی ہراس کے عالم میں میدان میں ادھر سے ادھر دوڑ رہی تھیں ۔ حمید ابن مسلم کہتا ہے کہ مجھے اس کمسن بچی کی مصیبت پر بڑا ترس آیا ۔ میں نے آگے بڑھ کر کرتے کے دامن میں بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھا دیا تو بچی نے تشکر اور احسان مندی کے عالم میں کہا ۔ اے شیخ ایک

احسان اور کر دے اور مجھے نجف کا راستہ بتا دے ۔ میں نے پوچھا ، بی بی نجف جا کے کیا کرو گی ۔ تو کہا ، وہاں میرے دادا امیرالمومنین رہتے ہیں دادا جان سے ظالموں کے ظلم کی شکایت کروں گی" ۔

جناب زینب نے تمام دل شکستہ بی بیوں اور بچوں کو ایک ادھ جلے خیمے میں جمع کیا اور تسلی و دلاسہ دینے لگیں ۔ لیکن جب رات کا اندھیرا بڑھنے لگا تو جناب سکینہ کو اپنے پدر بزرگوار کی یاد آئی ۔ وہ سینہ یاد آیا جس پر سر رکھ کر روزانہ سویا کرتی تھیں ۔ رات کے اندھیرے میں لاشوں کے درمیان ، یا ابی یا ابی ، اے میرے بابا ، اے میرے بابا کی آواز دیتی ہوئی میدان میں باپ کو تلاش کر رہی تھیں کہ مقام نشیب سے چاہنے والے باپ کی آواز آئی ۔ سکینہ الیا الیا ، آواز کے سہارے باپ کی لاش تک پہونچیں اور باپ کی ٹکڑے ٹکڑے بے سر کی لاش کو دیکھ کر شدت کے ساتھ روئیں ، یہاں تک کہ باپ کے سینے پر سر رکھ کر سو گئیں ۔ جناب زینب نے سکینہ کو خیمے میں نہیں پایا تو تلاش کرتی ہوئی پہونچیں اور بچی کو سمجھا کر خیمے میں لے آئیں ۔

کربلا سے کوفے کی طرف روانگی

مقتل لہوف اور مقتل نورالعین میں ہے کہ گیارھویں محرم کو جب خاندان رسالت کی بی بیوں اور بچوں کو اسیر کر کے کربلا سے کوفے کی طرف لے جایا جانے لگا تو جناب زینب نے کہا کہ ہم اپنے وارثوں کو وداع کرنا چاہتے ہیں۔ مقتل میں پہونچ کر بی بیاں رونے لگیں اور نوحہ کرنے لگیں۔ جناب زینب کی حالت یہ تھی کہ سر پر ہاتھ رکھ کر روتی جاتی تھیں اور کہتی جاتی تھیں۔ یا جداہ، یا رسول اللہ، دیکھئے آپ کا نواسہ اپنے خون میں آغشتہ اور سر بریدہ جلتی ریت پر پڑا ہے اور آپ کی بیٹیاں قیدی ہیں۔ پھر جناب زینب نے امام حسینؑ کی چھوٹی صاحبزادی (سکینہ) کا ہاتھ پکڑا جو اپنے چہرے اور بالوں کو بار بار اپنے باپ کے حلق بریدہ پر رگڑتی جاتی تھیں اور کہتی جاتی تھیں کہ اے میرے پیارے بابا مجھ پر نہایت شاق ہے یہ امر کہ میں آپ کو پکارتی ہوں اور آپ جواب نہیں دیتے۔

(نورالعین صفحہ ۱۴۳)

بحرالمصائب میں روایت ہے کہ جب اہل بیت قتل گاہ میں لاشہائے شہداء سے وداع ہو رہے تھے تو جناب سکینہ اپنے پدر بزرگوار

کی لاش مطہر سے لپٹی ہوئی گریہ و بین کر رہی تھیں۔ شمر ملعون قریب آ کر ڈرانے دھمکانے لگا اور تشدد کے ساتھ آپ کو لاش مطہر سے جدا کرنے کی کوشش کرنے لگا تو جناب زینب اس کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا۔ اے شمر خدا تیرے ہاتھ قطع کرے۔ تجھے شرم نہیں آتی کہ ایک دل شکستہ کمسن لڑکی کو، جو اپنے باپ کے لئے رو رہی ہے اور ان کے حلقوم بریدہ کے بوسے لے رہی ہے، تو ڈراتا اور اذیت پہونچاتا ہے

(سوانح زینب، صفحہ ۱۲۳)

صاحب ریاض القدس علامہ محقق قزوینی یہ لرزہ خیز واقعہ لکھتے ہیں کہ جب اسیروں کا قافلہ کربلا سے کوفہ کی طرف چلنے لگا تو، اشقیاء کچھ بے کجاوہ اونٹ لائے اور رسول اسلام کے مقدس گھرانے کی عورتوں کو بے مقنع و چادر برہنہ پشت اونٹوں پر سوار کروانا چاہتے تھے کہ جناب زینب نے روک دیا اور آپ نے خود ایک ایک بی بی کو سوار کروایا، آخر میں خود سوار ہوئیں اور سکینہ کو اپنی گود میں بٹھا لیا۔ اتنے میں شمر ملعون اپنے کچھ سنگ دل ساتھیوں کے ساتھ وہاں پہونچا اور سکینہ کو دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ بچی اونٹ پر اکیلی بٹھائی جائے گی۔ یہ کہہ کے ظالم نے چار سالہ کمسن شہزادی، جناب سکینہ کو ایک بے کجاوہ

اونٹ کی برہنہ پشت پر بٹھادیا اور اونٹ پر بٹھانے کے بعد ایک ظالم
نے کمسن بچی کو سینے کے بل اونٹ کی پشت پر لٹاکر آپ کی ننھی ننھی
کلائیاں اونٹ کی گردن سے باندھ دیں۔ جب اونٹ چلا تو اس کی
پیٹھ کی رگڑ سے کمسن شہزادی کا سینہ چھلنے لگا۔ جیسے جیسے اونٹ چلتا
جاتا تھا زخم بڑھتا جاتا تھا اور خون ٹپکتا تھا۔ یہاں تک کہ اونٹ کی پیٹھ
خون سے رنگین ہوگئی۔ بے کس اور مظلوم بچی روتی اور تڑپتی تھی اور
کوئی مدد کرنے والا نہ تھا"۔

(دس مجلیس بحوالہ ریاض القدس)

مقتل لہوف، ابواب الجناں اور سوانح عمری جناب زینب میں
عبارات کے معمولی سے فرق کے ساتھ یہ واقعہ ملتا ہے کہ جب اہل
حرم اسیری کی حالت میں سر برہنہ، رسن بستہ، بے کجاوہ اونٹوں پر
کوفہ پہونچے تو اس وقت امام حسین علیہ السلام کی کنیز ام حبیبہ (جو کوفے
میں رہتی تھیں اور کوفے میں عبداللہ ابن رافع سے آپ کا عقد ہوا تھا)
ام حبیبہ نے چیخ پکار اور شور و غوغا کی آوازیں سنیں تو بالائے بام
پہونچیں۔ دیکھا کہ کچھ فوج ہے اور اس کے ساتھ نیزوں پر چند سر بلند
ہیں جو مثل آفتاب درخشاں کے ہیں اور کچھ شترہائے بے کجاوہ پر چند
عورتیں بلا مقنع و چادر سوار ہیں اور حسرت سے ان سروں کی طرف

دیکھ رہی ہیں۔ سب کے سامنے اونٹ پر ایک بلند قامت بی بی ہیں جن
کی گود میں ایک تین چار سال کی لڑکی ہے جو ترساں و لرزاں اور پیاسی
ہے اور بار بار اس بی بی سے پانی مانگ رہی ہے۔ ام حبیبہ بچی کی کمسنی
اور پیاس کی یہ حالت دیکھ کر مغموم ہوئیں اور جلدی جلدی کاسہ آب
لا کے بچی کے حوالے کیا۔ بچی نے پانی پینا چاہا تو کہا۔ بی بی میرے لئے
دعا کرو کہ میں جلد اپنی شہزادی، رسول کی نواسی، زینب بنت علیؑ کے
پاس پہونچوں اور زیارت سے مشرف ہوں۔ یہ سن کر جناب زینب
رونے لگیں اور روتے ہوئے فرمایا۔ ام حبیبہ تو نے مجھے نہیں پہچانا۔
میں ہی تو زینب بنت علیؑ ہوں۔ وہ سامنے میرے بھائی حسینؑ کا سر ہے
اور یہ حسینؑ کی بیٹی سکینہ بنت الحسین ہے۔ یہ سن کر ام حبیبہ روتے
ہوئے واپس گھر گئیں اور کچھ چادریں لا کر بی بیوں کے حوالے کیا مگر
افسوس ظالموں نے یہ چادریں بھی چھین لیں"۔

(سوانح زینب، صفحہ ۱۳۹)

واقعات راہِ شام و دربارِ یزید

کوفے کے بازاروں میں تماشائیوں کا ہجوم تھا۔ ان بازاروں سے گزرتا ہوا اہل حرم کا یہ قافلہ دربار ابن زیاد میں لے جایا گیا۔ جناب سکینہ، ماں بہنوں اور پھوپھیوں کے ساتھ بھرے ہوئے دربار کے داخلے کی اس مصیبت عظیم سے بھی گزریں۔ اور پھر ابن زیاد نے سرہائے شہداء کے ساتھ، ان مظلوم اسیروں کو فوج کے ایک رسالے کے ہمراہ دمشق کی طرف روانہ کیا۔ صاحب مفتاح البکاء اور صاحب طراز المذہب کی تحقیق کے مطابق کوفے سے دمشق تک چوبیس منزلیں تھیں اور دو منزلہ راستوں کو طئے کرتے ہوئے تیزی کے ساتھ سفر کیا گیا۔ بعض مورخین نے منازل کی تعداد انیس اور بعض نے بیس بھی لکھی ہے۔

مولانا محمد حسین جعفری لکھتے ہیں۔ "منازل کی تعداد جو کچھ بھی ہو مگر یہ ظاہر ہے کہ اس سفر میں اہل حرم پر بلا کی صعوبتیں اور مصیبتیں گزر گئیں۔ اونٹوں کا سفر خود باعث تکلیف و زحمت ہوتا ہے۔ اہل بیت کا سفر تو تقریباً چھ سو میل کا تھا۔ بعض روایات سے پتہ چلتا

ہے کہ اشقیاء، اہل بیت کو نامعلوم راستوں اور گزرگاہوں سے لے گئے تاکہ راستے میں مزاحمت اور مخالفت کا سامنا نہ ہو۔ بعض وقت ایسا بھی ہوا کہ ایک مقام پر وہ منزل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن جب ان کو معلوم ہوتا کہ وہاں کے لوگ دوستداران اہل بیت سے ہیں تو لڑائی کے خوف سے راستہ کاٹ کر دوسری طرف نکل جاتے تھے۔ بعض اوقات اونٹوں کی رفتار بہت تیز کر دی جاتی تھی۔ بعض مقامات پر محافظ فوج اور اہالیان شہر کے درمیان اہل حرم کو قید سے چھڑانے کی کوشش میں جھڑپیں بھی ہوئیں۔ طرفین کے کچھ لوگ مارے بھی گئے۔ جھگڑے اور یہ لڑائیاں بھی یقیناً بی بیوں اور بچوں کے لئے دہشت اور خوف کا باعث ہوئی ہوں گی۔ بعض ایسے مقامات سے بھی گزر ہوا جہاں کے باشندے دشمنان آل رسولؐ سے تھے اور جب اہل بیت وہاں پہونچے تو ان بدبختوں نے اظہار شادمانی بھی کیا۔ ایسے موقعوں پر کیا اہل بیت کو اس کا صدمہ نہ ہوا ہوگا۔ اور ان کے قلوب مجروح نہ ہوئے ہوں گے۔ کیا یہ مصیبت معمولی مصیبت تھی۔ ان تمام مصائب پر عظیم تر مصیبت یہ تھی کہ یہ سب صدمات و تکالیف سے گزر رہے تھے لیکن کوئی دلجوئی کرنے والا، تسلی دینے والا نہ تھا۔ بلکہ اس کے برخلاف اشقیاء، جو بطور محافظ ساتھ تھے۔ انواع واقسام کی جسمانی

وروحانی اذیتیں پہونچاتے تھے ۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بے دینوں کی زدوکوب اور بیجا سختی کی وجہ سے کئی بچے اثنائے سفر میں ہلاک ہوگئے ۔ اونٹوں کو بعض وقت اس تیزی سے ہانکتے تھے کہ بچے اونٹوں سے گر کر ہلاک ہوجاتے تھے ۔ (مائیں بچوں کے لئے تڑپتی تھیں لیکن قافلہ روکا نہیں جاتا تھا) ۔

(سوانح زینب، صفحہ ۲۰۱)

یہ تو معلوم ہے کہ کربلا والوں کی پیاس ساتویں محرم سے شروع ہوئی لیکن یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ کون کب تک پیاسا رہا ۔ دسویں محرم کی شام تک سب شہید ہوگئے اور شہیدوں کو کوثر کے جام مل گئے لیکن اسیروں کی پیاس باقی رہی ۔ ان اسیروں کو کبھی کبھی کھانا اور پانی ملا بھی ہے لیکن روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان اسیروں کو کبھی اتنا کھانا اور پانی نہیں ملا کہ جی بھر کر سیراب ہوسکیں ۔ کوفے سے یہ لٹا ہوا قافلہ دمشق کی طرف چل رہا تھا ۔ صاحب ریاض لکھتے ہیں کہ "راستے میں حمص کی منزل پر قافلے والوں نے قیام کیا ۔ قلعہ حمص سردار یزید کا ماننے والا تھا ۔ شمر نے پیغام بھیجا کہ کھانے پینے کا سامان لے کر آؤ ۔ قلعہ والے لشکر کے لئے کھانا اور پانی لے کر آئے اور شمر نے لشکر والوں کو کھانا اور پانی تقسیم کرنا شروع کیا ۔ جناب سکینہ تشنہ

پیاسی تھیں ۔ پھوپی سے اجازت لے کر شمر کے پاس آئیں اور کہا ۔ مجھے بھی تھوڑا سا پانی پلادو ۔ پیاس کی وجہ سے میری زبان پر کلنٹے پڑگئے ہیں ۔ ظالم شمر نے سکینہ سے یہ نہیں کہا کہ پانی نہیں ملے گا بلکہ کوئی جواب دیئے بغیر اپنے لشکر والوں کو پانی پلاتا رہا ۔ جناب سکینہ شمر کی خاموشی سے یہ سمجھیں کہ شاید سب کو پانی پلانے کے بعد مجھے بھی دے گا ۔ شمر پانی پلاتا رہا اور چار برس کی کمسن بچی، پیاسی سکینہ انتظار کرتی رہیں ۔ جب شمر سب کو پانی پلاچکا تو سکینہ پھر شمر کے پاس آئیں اور کہا مجھے بھی تھوڑا سا پانی دے دو ۔ شمر نے مشکیزے کا دہانہ کھولنا شروع کیا تو سکینہ سمجھیں کہ مجھے پانی پلانے کے لئے مشک کا منہ کھول رہا ہے ۔ لیکن دنیا کے سنگدل ترین انسان نما حیوان شمر نے بچی کو دکھا کے مشک کا پانی زمین پر گرادیا ۔ پیاسی بچی بیقراری کے عالم میں آگے بڑھی اور خود کو اس مقام پر گرادیا جہاں پانی گرا تھا اور گرے ہوئے پانی کی ٹھنڈک کو اپنے جلتے ہوئے سینے میں جذب کرنے کی کوشش کرنے لگیں

(دس مجالس، صفحہ ۱۳۹)

تمام تواریخ اور مقاتل کو دیکھنے کے بعد یہ کہنا پڑتا ہے کہ اگر بعض واقعات نہ مل جاتے تو اندازہ ہی نہ ہوتا کہ اہل حرم کس قدر ستائے گئے اور کیسی کیسی عظیم مصیبتوں سے گزر گئے ۔

صاحب زاد العاقبۃ اور صاحب سرورالمومنین ، عبارات کے
تھوڑے سے فرق کے ساتھ اس واقعے کو لکھتے ہیں کہ جس وقت
اسیروں کا قافلہ تیزی سے اونٹوں کو دوڑاتے ہوئے لے جایا جارہا تھا کہ
یکایک وہ نیزہ جس پر سر حسین نصب تھا اور جسے خولی اصبحی اٹھایا ہوا
تھا اس کے ہاتھ سے چھوٹا اور زمین میں پیوست ہوگیا ۔ خولی ملعون نے
بہت کوشش کی کہ دوبارہ اسے اٹھاکر آگے بڑھے لیکن یہ ممکن نہ ہوا
جس کی وجہ سے قافلہ رک گیا ۔ شمر کو اس واقعے کی خبر ملی تو ظالم تازیانہ
لیا ہوا امام زین العابدینؑ کے قریب آیا اور کہا ۔ علی ابن الحسین ،
تمہارے باپ کا **سر کیوں آگے نہیں بڑھتا** ۔ اپنے باپ سے کہو کہ آگے
بڑھیں ۔ یہ کہہ کر ظالم نے بیمار و مظلوم امام کو تازیانہ لگایا اور امام
مظلوم نے آواز دی ۔ بابا ۔ اب میری پشت تازیانوں کی اذیت سے
زخمی ہوچکی ہے ، بابا آگے بڑھئے ۔ آواز آئی ، بیٹا سینے پہ سونے والی میری
بچی سکینہ اونٹ سے زمین پر گر گئی ہے قافلے سے جدا ہوگئی ہے ۔ میں
کس طرح آگے بڑھ سکتا ہوں ۔

یہ خبر ثانی زہرا جناب زینب کو معلوم ہوئی تو آپ بے تابانہ
اونٹ سے اتریں اور جس طرف سے قافلہ آیا تھا ، اسی طرف سکینہ کو
ڈھونڈتی ہوئی چلیں ۔ ایک مقام پر دیکھا کہ ایک معظمہ سکینہ کو گود

ں لئے ہوئے سر جھکائے بیٹھی ہیں ۔ بچی روتی جاتی ہے تو تسلی و دلاسہ
ی جاتی ہیں ۔ یہ دیکھ کر جناب زینب نے اس بی بی سے کہا ۔ بی بی ، تم
ن ہو جو ہماری اس بچی کے ساتھ محبت و شفقت سے پیش آرہی ہو
الانکہ اب تو لوگ ہمارے اتنے دشمن ہیں کہ اس بچی کو رونے پر
ئے تسلی کے طمانچے لگاتے جاتے ہیں ۔ یہ سن کر ان معظمہ نے
ے سے نقاب ہٹائی اور فرمایا ۔ زینب تم نے ماں کو نہیں پہچانا ۔
ب میں تمہاری ماں فاطمہ زہرا ہوں" ۔

مولانا مظہر حسن موسوی ، کتاب جلاء العینین میں لکھتے ہیں
ام زین العابدین سے منقول ہے کہ جب ہم کو یزید کے سامنے لے گئے
یاں ہماری گردنوں میں ڈال کر گوسفندوں کی طرح کھینچتے تھے ۔
ہیں قصور ہوتا تو ہم کو تازیانے مارتے تھے ۔ اس طرح ہم کو دربار
میں لے جایا گیا ۔ اس مردود نے محفل عیش و طرب مثل عید
ستہ کی تھی اور خود بڑی سج دھج سے زینت کرکے تخت پر بیٹھا تھا ۔
مبارک سیدالشہداء طشت طلا میں اس کے سامنے رکھا تھا ۔

(صفحہ ۲۳۸)

مولانا ابن حسن جارچوی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں ۔
"یزید خوش تھا کہ وہ اہل بیت رسولؐ کو دیار و امصار میں تشہیر

رے ان کی تذلیل کررہا ہے - اسے یہ خبر نہ تھی کہ یہی وہ عمل ہے
جس کی وجہ سے آل محمدؐ کے مصائب کی داستان عالمگیر ہوتی جارہی ہے
اور ان کی صداقت کا نقش دلوں پر پائیدار ہورہا ہے - کوفہ و حلب
موصل و دمشق کے شہروں میں (بازاروں اور درباروں میں) ہزاروں
اور لاکھوں آدمیوں نے آل محمدؐ کے مصائب کا منظر اپنی آنکھوں سے
دیکھا اور مخدرات عصمت کی جگر خراش اور رقت خیز تقریریں سنیں تو
ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک آگ سی لگ گئی - محبت
آل محمدؐ کا وہ جذبہ جو جبر و استبداد کی وجہ سے دب گیا تھا پھر ظاہر ہوگیا -
اور عشق رسول کی وہ آگ جو زر پرستی اور سرمایہ داری کی وجہ سے بجھنے
لگی تھی پھر بھڑک اٹھی -

(فلسفہ آل محمدؐ، صفحہ ۸۹)

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ "جناب امام حسین علیہ
السلام معہ اپنے ساتھیوں کے شہید ہوگئے تو ابن زیاد نے ان کے
سروں کو یزید کے پاس بھیج دیا - یزید اول تو ان کے قتل سے بہت
خوش ہوا مگر بعد میں جب لوگ ناراض ہوئے اور لوگوں نے اس کے
اس فعل کو برا سمجھا تو اس کو سخت ندامت ہوئی - اور حق یہ ہے کہ
مسلمان بجا ناراض ہوئے" - (تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۶۶)

مقتل لہوف میں ہے کہ "امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں کہ
جب ہم کو یزید کے دربار میں قیدیوں کی حیثیت سے لایا گیا تو رومی سفیر
نے یزید سے پوچھا - امیر یہ کٹا ہوا سر جو تیرے سامنے طشت طلا میں رکھا
ہے - یہ کس کا سر ہے - اس نے کہا - یہ علی ابن ابی طالب کے فرزند
حسینؑ کا سر ہے - اس نے پوچھا، حسین کی ماں کا نام کیا ہے - کہا، فاطمہ
بنت محمدؐ - رومی سفیر نے یہ جواب سن کر کہا - تجھ پر اور تیرے دین و
آئین پر تف ہے تیرے دین سے تو میرا دین لاکھ درجے بہتر ہے - میں
داؤد نبی کی نسل سے ہوں اور میرے اور ان پیغمبر کے درمیان کئی
پشتوں کا فاصلہ ہے لیکن تمام نصرانی میری تعظیم کرتے ہیں - اس لئے
کہ میرا سلسلہ نسب حضرت داؤدؑ تک پہونچتا ہے وہ سب میرے پیروں
کی خاک اٹھا کر لے جاتے ہیں اور بطور تبرک اپنے گھروں میں رکھتے ہیں
افسوس تم نے اپنے نبی کے نواسے کو تہہ تیغ کردیا، حالانکہ تمہارے
نبی اور ان کے نواسے حسینؑ کے درمیان بس ایک ماں (پشت) کا
فاصلہ ہے - پھر اس نے کہا، اے یزید - عمان اور حصین کے درمیان
ایک جزیرہ ہے "کینستہ الحافر" - وہاں کے سب سے بڑے گرجا میں
ایک محراب ہے جس میں سونے کا ایک ڈبہ (چھوٹا صندوق) لٹکا ہوا

ہے جس میں ایک کھُر ہے۔ لوگ کہتے ہیں یہ کھُر اسی گدھے کا ہے جس پر نصاریٰ (عیسائیوں) کے پیغمبر حضرت عیسیٰ سوار ہوا کرتے تھے۔ اس ڈبے پر نقشین کام کیا ہوا ہے اور وہ بیش قیمت غلاف سے ڈھکا ہوا ہے ہر سال عیسائی افراد کثیر تعداد میں وہاں جاتے ہیں اور اس گرجے کا طواف کرتے ہیں اور اس ڈبے کی طرف رخ کرکے خدا کی جناب میں اس کھُر کا واسطہ دے کر اپنی اپنی حاجتیں بیان کرتے ہیں۔ مقام غور و تامل ہے کہ نصاریٰ تو اس کھُر کی تعظیم و تکریم کریں اور مسلمان اپنے نبی کے نواسے کا خون بہائیں۔ رومی سفیر کی اس لعنت ملامت کو سن کر یزید نے اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ اس ایمان کے متلاشی نے جب اپنی موت کا سامان دیکھا تو کہا۔ اے یزید کیا تو نے میرے قتل کا واقعی ارادہ کرلیا ہے۔ اس نے کہا۔ ہاں میں ضرور تجھے قتل کروں گا۔ یہ سنا تو نڈر ہو کر اس نے کہا۔ سن اے یزید، گزشتہ رات کو میں نے تمہارے پیغمبر کی خواب میں زیارت کی۔ وہ مجھ سے فرماتے تھے کہ اے نصرانی تو ضرور بہشت میں داخل ہوگا۔ مجھے ان کے اس کلام سے حیرت تھی لیکن اب میری شہادت نے ان کی صداقت کو ثابت کردیا۔ اب میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے سچے رسول ہیں۔ پھر دوڑ کر اس نے سیدالشہداء

کے سر کو اٹھالیا اور سینے سے لگا کر زار زار روتا جاتا تھا اور سر کے بوسے لیتا تھا۔ یہاں تک کہ قتل کردیا گیا"۔

(مقتل لہوف، صفحہ ۱۳۴)

یزید نے بھرے ہوئے دربار میں سینکڑوں مسلمانوں کی موجودگی میں سر حسین کو دیکھ کر اور پیغمبر کے گھرانے کے مظلوم اسیروں کو دیکھ دیکھ کر یہ اشعار بھی پڑھے جسے مقتل نورالعین اور مقتل لہوف کے علاوہ دوسرے مورخین نے بھی لکھا ہے۔

یزید سر حسین پر نظر ڈال کر بار بار کہہ رہا تھا۔ کاش بدر میں مارے جانے والے میرے بزرگ کربلا میں موجود ہوتے اور سفیانیوں کی محمدیوں پر یورش کو دیکھتے اور شامیوں کا عراقیوں پر نیزے چلانا اور تلواریں مارنا مشاہدہ کرتے تو خوش ہو کر کہتے۔ اے یزید لڑائی سے ہاتھ نہ روکنا اور کشت و خون میں کسر نہ چھوڑنا۔ ہم نے جنگ میں سورما ہاشمیوں کے سب کس بل نکال دیئیے اور ہمیشہ کے لئے ہوائے جنگ ان کے دماغ سے دور کردی۔ ہاشمی پیغمبر نے ملک و سلطنت کے لالچ سے دین اسلام کا بہانہ ڈھونڈا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ نہ ان کے پاس کوئی آسمانی خبر آئی تھی اور نہ ان پر وحی کا نزول ہوتا تھا۔ ہاشمیوں نے امویوں کے ساتھ جو زیادتیاں کیں تھیں ان سب کا میں نے بدلہ

لے لیا۔ اور نہ بھی لیتا تو بھی میں ہمت ہارنے والا نہ تھا۔ ایک نہ ایک روز ہاشمی نسل کو برباد کر کے رہتا۔

یہ سننا تھا کہ جناب زینب کھڑی ہو گئیں اور بعد حمد و ثنائے پروردگار و نعت محمدی کے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

ثمہ کان عاقبت الذین اساء والسواء ان کذبو بایات اللہ و کانو بھا لیستھزءون۔

(اور برائی کرنے والوں کا انجام برا ہوا۔ اس لئے کہ انھوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور وہ اللہ کی نشانیوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

(سورہ روم آیت ۹)

پھر خطبہ انشا فرماتے ہوئے، فرمایا۔ اے یزید تیرے برے انجام کو اللہ نے اس آیت کے اندر صاف صاف بیان فرمایا ہے۔ چونکہ تو نے ہمارے لئے تمام راہیں مسدود کر دیں اور تو نے ہم پر پورا پورا قابو پالیا ہے اور ہم کو اس درجہ رسوا کیا ہے کہ کربلا سے کوفے تک اور کوفے سے شام تک ہم کو مثل کنیزوں کے تشہیر کرا کے اپنے دربار میں طلب کیا ہے تو کیا تو اس گمان میں مبتلا ہو گیا ہے کہ ان مظالم سے تیرا مرتبہ پیش خدا بلند ہو گیا ہے اور ہم مظلوموں کو خدا نے قعر مذلت میں گرا دیا ہے؟ کیا تو اپنی فتحمندی سے اس دھوکے میں پڑ گیا ہے کہ تو خدا

کے مقربوں میں سے ہے؟

اب تیرے پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے اور دماغ آسمان پر چڑھتا چلا جاتا ہے۔ دنیا کے اس چند روزہ عیش و عشرت پر اور اپنی مرادوں کے بہم حاصل ہونے پر تو نازاں ہے۔ اب تو تجھے ہماری طرف سے (آل رسول کی طرف سے) کوئی کھٹکا باقی نہ رہا اور رسول اللہ کی سلطنت تیرے قبضے میں آچکی ظلم و ستم سے باز آ اور جور و جفا سے ہاتھ اٹھا لے۔ کلام پاک (قرآن مجید) کو تو تو نے بالکل بھلا دیا۔ خدا فرماتا ہے۔ "کافروں کی اس مہلت میں جو ہم نے انہیں دی ہے بہتری نہ سمجھو۔ ہم نے تو ان کی رسی کو اس لئے دراز کیا ہے کہ جو کچھ فسق و فجور کرنا ہو کر لیں پھر تو انھیں رسوا کرنے والا عذاب بھگتنا ہی ہے" ۔ اے آزاد کردہ غلام کی اولاد (فتح مکہ کے دن جب ابو سفیان کو غلام بنایا گیا تھا تو رسول اللہؐ نے اسے آزاد کیا تھا)۔ کیا انصاف یہی ہے کہ تو نے اپنی بیبیوں اور باندیوں کو تو پردے میں بٹھا رکھا ہے اور رسول زادیوں کو قیدی بنا کے شہر بہ شہر اور دیار بہ دیار پھرایا۔ غضب خدا کا تو نے رسول زادیوں اور امام زادیوں کی پردہ دری کی اور ان کے سروں اور چہروں کو جلوۂ عام میں بے مقنع و چادر کرا دیا۔ رسول اللہؐ کی امانتوں کو تو نے دشمنوں کے ذریعے دیار بہ دیار پھرایا۔ وہ انہیں کشاں کشاں لئے پھرے، شہری

اور دیہاتی، جنگلی اور پہاڑی، شریف اور رزیل، قریب اور بعید سب ہی ہم کو گھور گھور کے دیکھتے رہے۔ ہائے بے بسی، ہمارا والی و وارث نہ رہا۔ اے یزید تجھ میں ذرا رحم نہیں۔ اور رحم ہو کیونکر۔ تو تو ایسی جلاد اور بے رحم ماں کا بیٹا ہے جو جگروں اور کلیجوں کو چباتی تھی۔ (جنگ احد کے دن یزید کی دادی نے رسول خدا کے چچا حضرت حمزہ کے جگر اور کلیجے کو چبایا تھا)۔ تیری تو پرورش ہی ایسے دودھ سے ہوئی ہے جو شہداء کے خون سے بنا تھا۔ تو بھلا کیوں ہماری بربادی میں کوئی دقیقہ اٹھا رکھے گا۔ تو تو ہمارا بڑا جانی دشمن ہے تو نے اپنے زعم میں ہمیشہ ہم کو حقیر و ذلیل سمجھا ہے اور ہماری طرف سے کینہ و بغض تیرے دل میں بھرا ہوا ہے۔ ارے ظالم آخرت سے تو ایسا نڈر ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کے اس بھرے مجمع میں فرزند رسول الثقلین امام حسینؑ کے دندان مبارک پر چھڑی مار مار کر بے مہابا کہتا ہے۔ کاش بدر میں مارے جانے والے میرے بزرگ کربلا کی جنگ کا مشاہدہ کرتے تو خوش ہو ہو کر کہتے اے یزید لڑائی سے ہاتھ نہ روکنا اور کشت و خون میں کسر نہ چھوڑنا۔ اور تو ایسا کہے بغیر رہ بھی نہیں سکتا۔ تو نے زینت محمدؐ کا خون بہا کر اور خاندان عبدالمطلب کے روشن ستاروں کو خاک میں ملا کر ہمارے پرانے زخموں کو چھیل دیا اور ان کی سوزش کو زیادہ کر دیا۔ تو کربلا میں

ہماری بربادی کا تماشا دکھانے کے لئے اپنے (مرے ہوئے) بزرگوں کو بلاتا ہے اور تیرا یہ گمان ہے کہ تیری آواز ان تک پہنچتی ہے۔ تھوڑا اور صبر کر۔ تو خود ہی بہت جلد ان ہی کے ٹھکانے پر پہنچ جائے گا۔ اے ظالم عنقریب تیرے لئے وہ وقت آنے والا ہے جب کہ تیرے ہاتھ شل ہو جائیں گے اور تیری زبان بند ہو جائے گی۔ اس وقت تو پشیمان ہوگا اور کہے گا۔ "کاش میں نبی کی زینت کے ساتھ ایسا نہ کرتا اور ان کی شان میں ایسی گستاخی کے کلمات نہ کہتا"۔

پروردگار۔ ہمارا حق دلا اور ان ظالموں سے انتقام لے۔ خداوندا ان لوگوں پر اپنا غضب نازل فرما جنہوں نے ہمارا خون بہایا اور ہمارے وارثوں کو قتل کیا۔ خدا کی قسم ہماری خونریزی سے تو نے اپنی ہی کھال ادھیڑی اور ہمیں تباہ کر کے تو نے اپنی ہی تباہی مول لی ہے۔ عرصۂ محشر میں قدرت آل رسولؐ کی پریشان حالی کو خوشحالی سے بدل کر ان کے بچھڑے ہوؤں کو یکجا کرے گی اور ان کے تلف کئے ہوئے حقوق کی حق رسی فرمائے گی۔ تو اس وقت شافع محشر کی خدمت میں اس صورت سے حاضر کیا جائے گا کہ تیری گردن پر عترت نبی کی خون ریزی اور مخدرات عصمت و طہارت کی پردہ دری کا بوجھ ہوگا۔ اے یزید۔ کیا تیرا یہ گمان ہے کہ کربلا کے مسافروں کو تو نے قتل

کر کے ان کا خاتمہ کر دیا اور وہ ہمیشہ کے لئے مر گئے۔ نا سمجھ۔ وہ تو زندہ
ہیں اور اللہ سے رزق پاتے ہیں۔ اے یزید عنقریب تجھے حاکم حقیقی کی
سب سے بڑی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ جس عدالت میں تجھ پر
دعویٰ دائر کیا جائے گا۔ خود رسول اللہ مدعی ہوں گے اور جبرئیل امین
ان کے پیروکار۔ تو مدعا علیہ اور احکم الحاکمین منصف ہوگا۔ اس وقت
حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے گا۔ تیری حکومت کے مضبوط کرنے
والوں اور تجھے خلافت کی گدی پر بٹھانے والوں کو معلوم ہو جائے گا کہ
ظلم کا انجام کیا ہوتا ہے۔ اس وقت تیرا اور تیرے بہی خواہوں کا بدتر
سے بدتر ٹھکانہ ہوگا، نہ کوئی یاور ہوگا نہ کوئی مددگار۔ اگرچہ اے یزید۔
میں تیرے دربار میں اس وقت نہایت بے کسی اور مصیبت کی حالت
میں لائی گئی ہوں۔ مگر یاد رکھ۔ میں تیری اس حشمت و شوکت کو نہایت
حقیر جانتی ہوں اور تیری ملامت اور سرزنش کو لازم جانتی ہوں۔
کروں کیا دل میرا پاش پاش ہے اور کلیجے میں آگ لگ رہی ہے۔ خدا کی
شان۔ خدا کا لشکر تو مغلوب ہو اور ان دشمنان خدا کا لشکر غالب ہو،
جن کے ہاتھوں سے اب تک کربلا کے شہیدوں کا خون ٹپک رہا ہے اور
جن کی زبانیں مظلوموں کا خون پی کر لذت کے چٹخارے لے رہی ہیں
اور شہیدوں کی پاک و پاکیزہ نعشوں پر گرد اڑ رہی ہے۔ اے ناعاقبت

اندیش، خوف کر اس دن سے جس دن سوائے اعمال کے تیرا کوئی اور
مددگار نہ ہوگا اور اللہ تو کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ میں اللہ ہی سے فریاد
کرتی ہوں اور اسی کی ذات پر بھروسہ رکھتی ہوں تو خوب مکر و فریب
سے دل بھر لے اور جی بھر کے ہماری بربادی کی کوشش کر لے۔ خدا کی
قسم تو ہمارے (محمد و آل محمدؐ کے) ذکر کو مٹا نہیں سکتا اور نہ تو ہماری
برابری کر سکتا ہے۔ تیرے نام پر ان مظالم کا بڑا دھبہ ہے اور یہ دھبہ
تیرے نام سے ہرگز نہیں چھوٹ سکتا۔ تیری عقل خبط ہو گئی ہے اور
دنیا میں تیری زندگی بھی قلیل ہے۔ تیرا یہ ظاہری اطمینان حقیقت میں
پریشانی ہے۔ اے یزید میری یہ سب باتیں تجھ پر اس وقت کھلیں گی
جب کہ منادی ندا کرے گا کہ آج کے دن ظالموں پر خدا کی پھٹکار ہے۔
خدا کا شکر ہے کہ اس نے میرے نانا (رسول خدا صلعم) کو سعادت اور
شفاعت سے امتیاز بخشا اور میرے بھائی (حسین علیہ السلام) کو شہادت
و رحمت سے سرفراز فرمایا۔ اے میرے پروردگار ان مصیبتوں کا جو
میرے نانا محمدؐ مصطفیٰ اور میرے مظلوم بھائی حسینؑ نے تیری راہ
میں برداشت کی ہیں، ان کا انہیں بھرپور صلہ عطا فرما اور ان کے
درجات کو رفعت عطا کرنا اور ان کی خلافت کی مناسبت کو ہمارے لئے
مخصوص رکھنا۔ بے شک اے معبود تو اپنے بندوں پر مہربانی کرنے

والا اور اپنے بندوں کا چاہنے والا ہے۔ ہماری امداد کے لئے تو ہی کافی ہے۔ تجھ ہی کو ہم نے اپنے کل معاملات سونپ دیئے ہیں۔

(مقتل لہوف، صفحہ ۱۲۰)

"رازق الخیری صاحب نے اپنی تالیف" سیدہ کی بیٹی" میں جناب زینب سلام اللہ علیہا کے اس خطبے کا ترجمہ دیا ہے لیکن ترجمہ اصل سے کسی قدر بدلا ہوا ہے ـــــ مگر انھوں نے اس خطبے کو درج کرنے کے بعد جو خیالات اس کے متعلق ظاہر فرمائے ہیں وہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

"یزید کا دربار شامیوں سے کھچاکھچ بھرا ہوا تھا مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب کو سانپ سونگھ گیا ہے۔ ہر شخص بے حس و حرکت اس طرح بیٹھا یا کھڑا تھا جیسے پتھر کی مورتیں ہوں۔ ان کی زبانیں اور ان کے ہونٹ چپکے ہوئے تھے۔ ان کے دل دریائے حیرت میں غوطے کھا رہے تھے۔ ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں جب شیر خدا کی بیٹی شیر کی طرح دھاڑ رہی تھیں اور رعیت کے سامنے ان کے بادشاہ کو للکار رہی تھیں"۔

شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء تحریر فرماتے ہیں۔ "راہ میں۔ بازار شام میں (دربار میں) ہر مناسب موقع پر جناب زینب کی زبان

فریضہ تبلیغ میں گویا تھی۔ انہوں نے حق کو واضح کرنے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ انہوں نے ہر موقع پر ایسی تقریر کی جو کسی ایسے خطیب سے بھی ناممکن تھی جس کے لئے تمام خاطر جمعی اور راحت و اطمینان کے اسباب موجود ہوں"۔

(سوانح زینب، صفحہ ۲۸۲)

ابو اسحٰق اسفراینی (۴۱۸ھ) لکھتے ہیں کہ یزید نے شامی خطیب کو حکم دیا کہ منبر پر جا اور علی و اولاد علی کو برا کہہ۔ شامی خطیب نے ایسا ہی کیا بلکہ امیرالمومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے حق میں بہت زیادتی کی اور یزید کی بہت مدح کی جسے سن کر امام زین العابدین نے فرمایا۔ اے خطیب. تجھ پر افسوس ہے کہ تو نے مخلوق کو خوش کرنے کے لئے اپنے خالق کی ناراضی مول لی۔ یقیناً. تجھ سے تیرا رب اور اس کا عبد خاص (پیغمبر اکرمؐ) دونوں ناراض ہوئے لعنت ہے. تجھ پر۔ پھر آپ نے یزید سے کہا۔ آیا مجھے اجازت ہے کہ میں منبر پر جاؤں اور کچھ کہوں۔ میں ایسی باتیں کہوں گا جس سے خدا خوش ہو اور آدمیوں کو نفع ہو۔ یزید نے انکار کیا تو حاضرین نے پوچھا۔ کیوں اجازت نہیں دیتا۔ یزید نے کہا۔ اے لوگو میں اس لڑکے کو اور اس کے بھائیوں کو جانتا ہوں یہ اہل بیت ہیں۔ ان کے خرد و بزرگ اور زن و

مرد حکمت کے ساتھ مخصوص ہیں اور یہ سب ابوتراب سے ہیں - مگر
سب نے اصرار کیا اور کہا - تجھ کو خدا کی قسم ہے اس (قیدی) کو اجازت
دے - اس پر یزید نے کہا کہ اے علی - منبر پر جاؤ اور جا کر جو چاہو کہو -
پس آپ منبر پر تشریف لے گئے اور خدا کی حمد اور لعت رسول خدا کے
بعد فرمایا -

"لوگو میں تم کو ڈراتا ہوں دنیا سے اور دنیا کی چیزوں (فتنوں) سے
اس لئے کہ دنیا دار فنا و زوال ہے - اس دنیا نے گزشتگان کو فنا کر دیا -
حالانکہ وہ لوگ تم سے بڑی عمروں کے تھے اور تم سے زیادہ دولتمند تھے
مٹی نے ان کے جسموں کو کھا لیا - ان کی حالتوں کو متغیر کر دیا - ان کے
بعد بھی کیا تم اطمینان رکھتے ہو کہ "ہم دنیا میں ہمیشہ زندہ رہیں گے" -
یہ تمہاری آرزو دور (بیکار) ہے - تم کو ان لوگوں سے ملنا ضرور ہے - جو کچھ
تمہاری عمر میں سے گزر گیا، سو گزر گیا اور (جو) باقی رہا اس میں اعمال
صالح کر لو قبل اس کے کہ موت آوے - اور قبل اس کے کہ امیدوں
سے فارغ ہو - بہت جلد تم ان محلوں سے نکالے جاؤ گے اور قبور میں
داخل کئے جاؤ گے اور پیش خدا اپنے افعال کا حساب دو گے - قسم خدا
کی فاجر شخص کا حق یہ ہے کہ اس کی حسرتیں کامل ہوں اور بہت سے
معزز لوگ ایسے ہیں کہ ہلاکتوں کے راستے میں پڑیں گے - مگر اس وقت

کوئی ندامت اور شرمندگی ان کو نفع نہ دے گی - ہر چند فریاد کریں گے
مگر کسی کو فریاد رس نہ پاویں گے - جو اعمال کئے ہیں وہ سب ان کے
پیش نظر ہوں گے - اور تمہارا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرتا -

ایھاالناس - جو مجھ کو جانتا ہے، جانتا ہے اور جو نہیں جانتا مجھ
کو وہ اب جان لے کہ میں علی ابن الحسین بن علیؑ ہوں، میں ہوں فرزند
فاطمہ زہرا، میں ہوں فرزند خدیجۃ الکبریٰ، میں ہوں فرزند اس شخص کا
جو صاحب مکہ و منیٰ تھا، میں فرزند ہوں اس شخص کا جو صاحب مروا و
صفا تھا، میں فرزند اس کا ہوں جس نے آسمان پر ملائکہ کے ساتھ نماز
پڑھی ہے، میں فرزند اس بزرگ کا ہوں جس کے باب میں (ثمہ
فتدنیٰ فکان قاب قوسین اوادنیٰ) نازل ہوا ہے، میں اس کا
فرزند ہوں جو شفاعت کبریٰ کا صاحب ہے - میں اس کا فرزند ہوں جو
صاحب حوض ولوائے حمد ہے، میں اس کا فرزند ہوں جو صاحب دلائل
معجزات ہے، میں اس کا فرزند ہوں جو صاحب قرآن و کرامات ہے،
میں فرزند سید محمود ہوں، میں فرزند صاحب کرم و صاحب جود ہوں،
میں اس کا فرزند ہوں جو صاحب تاج نورانی ہے، میں اس کا فرزند ہوں
جو صاحب براق ہے، میں اس کا فرزند ہوں جو کلمہ اسمعیل ہے، میں
اس کا فرزند ہوں جو صاحب معانی و تاویل قرآن ہے، میں فرزند اس

شخص کا ہوں جو حوض کوثر پر اول آنے والا ہے، میں فرزند اس کا ہوں جو عابد و زاہد ہے، میں فرزند اس شخص کا ہوں جس نے اپنے عہدوں کو وفا کیا، میں فرزند سردار نیکو کاراں ہوں، میں بیٹا اس شخص کا ہوں جس پر سورۂ بقر نازل ہوئی، میں فرزند اس شخص کا ہوں جس پر جنتوں کے دروازے کھل گئے، میں فرزند اس شخص کا ہوں جس پر اللہ کی خاص خوشنودیاں نازل ہوئیں، میں فرزند اس شخص کا ہوں جو قتیل ظلم و ستم ہے، میں فرزند اس شخص کا ہوں جس کا سر پس گردن سے جدا کیا گیا میں فرزند اس پیاسے کا ہوں جو پیاسا ہی اس دنیا سے گزر گیا، میں فرزند اس شخص کا ہوں جو کربلا میں بے گور و کفن پڑا ہے - میں فرزند اس شخص کا ہوں جس کا عمامہ اور ردا بھی چھینی گئی، میں اس شخص کا فرزند ہوں جس پر ملائکہ آسمان روئے -

ایہا الناس - اللہ تعالیٰ نے بلائے شدید سے ہمارا امتحان لیا ہے - اس طرح کہ ہم میں رایت ہدایت (علم ہدایت) اس نے مقرر کی اور ہمارے غیر میں رایت ہلاکت مقرر کیا - اور حق تعالیٰ نے ہم کو تمام عالم میں سب پر فضیلت عطا فرمائی اور حق تعالیٰ نے ہم کو وہ خیر کیا ہے جو دنیا میں کسی کو نہیں دیا ہے - اور پانچ چیزیں بالخصوص کی ہیں جو کسی خلق میں (مکمل) نہیں ہیں - (وہ پانچ چیزیں یہ ہیں)

شجاعت، سخاوت، حب خدا، حب رسول - اور ہم کو (اور بھی بہت سی) وہ چیزیں عطا فرمائی ہیں جو دنیا میں کسی کو نہیں عطا کیں" -

راوی کہتا ہے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ خطبہ سن کر تمام حاضرین رونے لگے اور یزید نے چاہا کہ آپ کے خطبے کو اذاں دلا کر ختم کرے - موذن کو اشارہ کیا کہ اذان کہہ - پس موذن نے (بے وقت اذان) کہا - **اللہ اکبر** (۴ مرتبہ) امام زین العابدین نے کہا - **اللہ اکبر فوق کل کبیر** (اللہ بڑا ہے ہر بڑے سے) موذن نے پھر کہا - **اشھدان لا الہ الا اللہ** (۲ مرتبہ) امام زین العابدین نے کہا **اشھدان لا الہ الا اللہ** پھر موذن نے کہا - **اشھدان محمدالرسول اللہ** . امام زین العابدین نے موذن سے کہا - چپ رہ - موذن خاموش ہوگیا (بقول ابو مخنف اس وقت امام رودیئے) امام زین العابدین نے فرمایا - اے یزید محمدؐ میرے جد تھے یا تیرے - اگر تو کہے گا ان کو میرا جد تو، تو سچا ہے اور اگر ان کو اپنا جد کہے گا تو، تو کاذب ہے - یزید نے کہا - آپ ہی کے دادا تھے - آپ نے فرمایا پھر تو نے ان کی ذریت کو کیوں قتل کیا اور ان کے حرم کو کیوں قید کیا؟ یہ سن کر یزید خاموش ہوگیا اور حاضرین رونے لگے اور سب نے کہا کہ یہ تو اسلام میں مصیبت عظیم واقع ہوئی - پس اس کلام سے یزید کو

خوف ہوا کہ کوئی اس کو مار نہ ڈالے ۔ بولا یاایھاالناس ۔ کیا تم گمان کرتے ہو کہ میں نے حسینؑ کو قتل کیا ہے ۔ خدا لعنت کرے اس پر جس نے کہ حسینؑ کو قتل کیا ہے ۔ ان کو محض عبیداللہ ابن زیاد میرے نائب بصرہ نے قتل کیا ہے ۔

(ترجمہ مقتل نورالعین، صفحہ ۱۸۹، مطبوعہ ۱۲۱۵ھ)

مولوی سید ولایت حسین نقوی صاحب قبلہ نے آج سے تقریباً پچاس ساٹھ برس قبل، مشاہد شام یعنی مرقد منور شہزادی سکینہ بنت الحسینؑ المعروف رقیہ فی شام وعلیا مخدومہ ثانی زہرا، زینب بنت امیرالمومنینؑ کی زیارت کے بعد سفر کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے ۔

" مسجد اموی یا مسجد سیدنا یحییٰ، زندان شام سے قریب ہی واقع ہے ۔ یہی مسجد معاویہ ویزید لعین کا دربار ہال تھا ۔ یہیں اہل بیت عصمت و طہارت یزید کے دربار شر بار میں پیش کئے گئے تھے ۔ پھر لکھتے ہیں ۔

مسجد اموی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ بوقت اذان جیسے کہ طریقہ ہے، ایک شخص اذان نہیں دیتا، بلکہ دس پندرہ اشخاص بیک وقت بلند آواز سے اذان دیا کرتے ہیں ۔ دنیا کی تمام مساجد کے

خلاف اس خاص طریقہ کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ طریقہ اس وقت سے رائج ہے جب کہ یزید کے حکم سے امام ہمام علی ابن الحسینؑ کا خطبہ قطع کرنے متعدد اشخاص سے بیک وقت اذان دلوائی گئی تھی ۔

(خیرۃالنسواں، صفحہ ۵۴ - ۵۵)

ابو اسحٰق اسفراینی مقتل نورالعین میں لکھتے ہیں کہ جناب زینب کے خطبے کے بعد جناب سکینہ نے خطبہ دیا اور آپ کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام نے خطبہ انشاء فرمایا ۔ لیکن دیگر مقاتل اور مورخین لکھتے ہیں کہ جب یزید نے اذان کے ذریعے امام زین العابدینؑ کے خطبے کو منقطع کروادیا تو اس کے بعد اس نے کمسن شہزادی جناب سکینہ بنت الحسین پر نظر ڈالی ۔ اس وقت آپ کی حالت یہ تھی کہ آپ یزید کے تخت کے سامنے سروپا برہنہ اس طرح کھڑی تھیں کہ گلے میں رسی بندھی ہوئی تھی ۔ ایک ہاتھ گلے کے زخم پر رکھا تھا اور ایک ہاتھ سے چہرے کا پردہ کر رہی تھیں اور اضطراب کے عالم میں آپ پاؤں اٹھاتی اور رکھتی جاتی تھیں ۔ یزید نے زحر ابن قیس سے پوچھا ۔ یہ کس کی بچی ہے ۔ اس نے جواب دیا ۔ امیر یہ سکینہ بنت الحسینؑ ہے ۔ حسین اسے بہت عزیز رکھتے تھے ۔ بہت چاہتے تھے ۔ یہ سن کر یزید جناب سکینہ سے مخاطب ہوا اور پوچھا ۔ کہو سکینہ کیا حال ہے ۔ جواب میں

خاندان رسالت کی چار سالہ مظلوم و اسیر شہزادی نے بڑے وقار کے ساتھ فرمایا - اے یزید ہم تو ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں -

شاید امام حسینؑ کا بدترین دشمن یزید آپ کی عزیز دختر، جناب سکینہ سے اپنے غموں اور تکلیفوں کی شکایت سن کر خوش ہونا چاہتا تھا مگر شہزادی کے اس جواب سے اس اذیت پسند موذی **کو** مایوسی ہوئی اس نے پھر پوچھا - کہو سکینہ تم پر کیا گزری - اس سوال کے جواب میں شہزادی نے وہ فصیح و بلیغ خطبہ انشاء فرمایا کہ اہل دربار چونک پڑے اور یزید پشیمان ہوگیا - **شہزادی نے فرمایا -**

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ الحمد للہ رب العالمین ○
الصلوۃ والسلام علی جدی سید المرسلین ا

شروع کرتی ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے - اور تمام تعریف اور حمد اس معبود حقیقی کے لئے ہے جو عالمین کا پالنے والا ہے اور درود و سلام ہو میرے جد پر جو مرسلین کے سردار ہیں -

پھر فرمایا ------ اے یزید تو نے یہ خوشی کا دربار اس لئے سجایا ہے کہ تو نے میرے باپ کو قتل کر دیا اور ہم کو قیدی بنالیا - سن اے یزید میرا باپ اللہ کی نشانیوں میں سے تھا اور میرے باپ

نے کامیابی کی منزل کو حاصل کر لیا - میرا باپ کامیاب ہوا اور تو ہمیشہ کے لئے ناکام و نامراد ہوگیا -

مقتل نور العین کے مطابق آپ نے یہ بھی فرمایا -

" اے یزید گزشتہ رات میرے جد رسول اللہ نے مجھے بشارت دی ہے کہ ہم اہل بیت اس بلا و امتحان کی وجہ سے اللہ کی بارگاہ میں کامیاب و سرخرو ہوئے اور میری دادی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا - بیٹی صبر کرو - اگر تم ان نعمتوں اور کرامتوں کو دیکھو گی جو تمھارے باپ حسینؑ کے لئے اللہ تعالی نے مہیا فرمائی ہیں تو تم خوش ہو جاؤگی اور اگر تم ان سختیوں اور عذابوں کو دیکھو گی جو حق تعالی نے یزید کے لئے مقرر فرمائے ہیں تو تم اپنا غم بھول جاؤگی - پھر آپ نے آیت پڑھی - و سیعلم الذین ظلموا ایی منقلب ینقلبون ○

جن لوگوں نے ظلم کیا ہے وہ عنقریب جان لیں گے کہ انھیں کس کروٹ پلٹایا جائے گا -

یزید اس کمسن و مظلوم شہزادی سے ایسا فصیح و بلیغ کلام سن کر حیران رہ گیا اور کہنے لگا - تم سب اہل بیت صاحبان حکمت ہو تم میں سب چھوٹے بڑے ، مرد، عورت ایسے ہی ہیں -

صاحب خیرۃ النسواں جناب سکینہ کے خطبے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جناب سکینہ نے ایک طویل خطبہ انشاء فرمایا" --------یزید سے بمد نظر صغرسنی معصومہ مظلومہ، یہ نہ ہوسکا کہ ممدوحہ کے کلام کو قطع کرتا۔ جو سعی لاحاصل کی بھی تو اہلِ شام مانع آئے کہ اس کلام سے فصاحت و بلاغت بنی ہاشم کا ذائقہ مل رہا ہے۔ اس صغیرہ کو روکنا بے محل ہے کہ صغرسنی مقتضی کذب نہیں۔ نتیجہ یہ کہ ختم کلام پر بلوہ و شورش ہوگئی گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔ تلواریں نکل پڑیں۔ نیزے بلند ہوئے اور یزید کو ملزم گردانا گیا کہ وہ تو حسین علیہ السلام کو معاذاللہ خارجی ظاہر کررہا تھا۔ حالانکہ وہ سبط رسول اللہ، جگر گوشہ فاطمہ زہرا ہیں اور یہ اسیر اہل بیت محمدؐ۔ یزید کو اس منقلب حالت میں بجز منت سماجت اور ابن مرجانہ پر تحویل الزام کے چارہ نہ رہا۔ اپنے بچاؤ کے لئے جو جملے اس کی زبان سے نکلے اس کا اعادہ غیر ضروری ہے۔ کہ اس سے مومنین واقف ہیں۔

(خیرۃ النسواں ۳۴)

جب یزید نے اہل دربار کا بدلا ہوا رنگ دیکھا تو اس نے دربار برخواست کیا اور اہل بیت کو قید کرنے کا حکم دیا اور کہا۔ ایسے بے سایہ

مکان میں رکھا جائے کہ دھوپ کی تپش اور سردی کے اثر سے محفوظ نہ رہیں۔ میرانیس اعلیٰ اللہ مقامہ نے اس خرابے کی تصویر الفاظ میں یوں کھینچی ہے۔

کیجئے شکستگی خرابے کا کیا بیاں
ثابت نہ جس میں سقف نہ در نہ سائباں
وحشت کا گھر ہراس کی جا خوف کا مکاں
وہ شب کہ الحذر وہ اندھیرا کہ الاماں
ظلمت کدائے گور تھی زنداں کا گھر نہ تھا
حجرے یہ تنگ تھے کہ ہوا کا گزر نہ تھا

صاحب طراز المذہب تحریر فرماتے ہیں کہ اکثر کتب مقاتل سے پایا جاتا ہے کہ اہل بیت رسولؐ مدت دراز تک ایسے ویران مکان میں مقید رہے کہ جس پر سقف یا سایہ نہ تھا دھوپ کی تمازت اور سردی کے اثرات سے مخدرات عصمت و طہارت اور بچوں کے چہروں کی کھال تک نکل آئی تھی۔ چہروں کے رنگ بدل گئے تھے اور شدت گریہ کی وجہ سے ان کی آنکھیں مجروح ہوگئی تھیں۔ بدن کا گوشت گھل گیا تھا اور بچے بڑے، سب لاغر و نحیف و نزار ہوگئے تھے۔ لکھا ہے کہ اہل بیت طہارت جس قید خانے میں تھے اس کے دربان رومی

(غیر مسلم روم کے لوگ) مقرر کئے گئے تھے (شہید اعظم ۲۵۸) اور کتب مقاتل میں ہے کہ زندان شام میں جناب امام حسین علیہ السلام کی ایک کمسن صاحبزادی کا انتقال ہوگیا ان کا اسم گرامی بعض زینب یارقیہ بعض سکینہ لکھتے ہیں عام طور سے تو یہ مشہور ہے کہ جناب سکینہ بنت الحسین کا زندان شام میں انتقال ہوا اور اس وقت آپ کا سن تین یا چار سال کا تھا۔

بحر المصائب میں ہے کہ زندان شام میں اہل بیت کے ساتھ سترہ بچے تھے جن کی جناب زینب نگرانی و پاسبانی فرماتی تھیں۔ بعض اوقات بچے بھوک اور پیاس کی شدت سے روتے اور تلملاتے رہتے تھے جناب زینب سے کھانا، پانی مانگتے تھے اور آپ ان کی دلجوئی و دل بہلائی فرماتی تھیں۔

جناب سکینہ کے انتقال کے حالات کے بیان میں صاحبان مقاتل اور بعض مورخین نے جو مکالمات جناب زینب اور جناب سکینہ کے درج کئے ہیں اور مظلوم صاحبزادی کے غسل و کفن و دفن کے جو حالات لکھے ہیں وہ اس قدر دردناک اور رقت آمیز ہیں کہ پتھر کو بھی پانی کر دیتے ہیں۔

(۲۴۷ سوانح زینب)

جنابِ سکینہؑ کی مظلومانہ شہادت

لکھا ہے کہ جس رات کو جناب سکینہ نے انتقال فرمایا اس رات کو شہزادی نے پہلے ہی سے اپنی موت کی خبر دے دی تھی۔ کبھی ماں سے رخصت کی باتیں کیں۔ کبھی اپنی بہن فاطمہ کبریٰ سے وداعی گفتگو فرمائی۔ میر انیس اعلی اللہ مقامہ لکھتے ہیں۔

حال شب وفات سکینہ ہے یادگار
گویا کہ اپنی مرگ تھی بیکس پہ آشکار
ملتی تھی شام سے وہ گلے سب کے بار بار
ماں کی بلائیں لیتی تھی وہ ماں کی غمگسار
تسلیم کو پھوپی کے کبھی سر جھکاتی تھی
تھی بے خطا پہ سب سے خطا بخشواتی تھی

مظلوم شہزادی جناب سکینہ بنت الحسین کی شہادت، اندھیرے قید خانے میں آدھی رات کے وقت ہوئی لیکن آپ نے سر شام ہی اپنی پھوپی جناب زینب سے وصیتیں فرمائیں۔

"پھوپی اماں میں نے پیاس کی بڑی تکلیف اٹھائی ہے پیاس کی وجہ سے میرے استخواں (ہڈیاں) تک خشک ہو چکے ہیں۔ جب میرا انتقال ہو جائے تو مجھے مقام نشیب میں سرد مقام پر دفن کرنا اور

میرے دفن و کفن کے لئے ظالم یزید کا کوئی احسان نہ لینا اور مجھے اسی پھٹے ہوئے کرتے ہی کے کفن میں دفن کر دینا۔

صاحب خیرۃ النسواں نے کتب امالی از علامہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ اور منتخب از علامہ فخرالدین طریحی، و مخزن البکاء از علامہ صالح برغانی، و اسرار شہادۃ از ملا آقائے دربندی، و مجالس المتقین، از علامہ شہید ثالث علیہ الرحمہ کے حوالے سے جناب سکینہ کی شہادت کا جو واقعہ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "اپنے چاہنے والے بابا حسین ابن علی کی یاد میں سکینہ کے دن اور رات، قیدخانے میں اس طرح گزر رہے تھے کہ دن اور رات رونے میں گزر جاتے تھے ایک رات زندان شام میں، قیدخانے کی زمین پر رخسارہ رکھے سکینہ اس طرح سو رہی تھیں کہ، زمین کی مٹی بالوں میں بھری تھی۔ آدھی رات کے وقت سکینہ روتی ہوئی نیند سے اٹھیں اور باپ کو یاد کر کے رونے لگیں بی بیوں نے سمجھا کہ شہزادی نے اپنے پدر عالی قدر کو خواب میں دیکھا ہے اس لئے روتی جاتی ہیں اور باپ کی متلاشی ہیں۔ جناب زینب نے سمجھایا تمام بی بیوں نے سمجھایا لیکن گریہ وزاری میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ سکینہ کے بین اس قدر دل خراش تھے کہ بی بیاں ضبط نہ کر سکیں اور تمام بیبیوں میں رونے کا کہرام مچ گیا۔ زندان شام اس مقام سے

متصل تھا جہاں یزید لعین موجود تھا۔ طاہر دمشقی روایت کرتا ہے کہ یزید نے زندان کے پاسبانوں سے اس شور و غل و گریہ و بکا کا سبب دریافت کیا۔ خبر دی گئی کہ امام مظلوم کی دختر صغیرہ سہ سالہ نے اپنے باپ حسین کو خواب میں دیکھا ہے اور باپ کو یاد کر کے رو رہی ہیں اس نے سر حسین قیدخانے میں لیجانے کا حکم دیا۔ آدھی رات کے وقت، ایک خوان میں رکھ کر سرپوش سے ڈھانک کر سر حسین قیدخانے میں لایا گیا۔ سکینہ نے باپ کا کٹا ہوا سر دیکھا تو دوڑ کے ہاتھوں پر اٹھالیا اور گود میں رکھ کر رونے لگیں اور بہ انداز معصومیت باپ سے ظالموں کے مظالم کی شکایتیں کرنے لگیں۔ اس قدر گریہ فرمایا کہ بے ہوش ہو گئیں۔ جناب زینب، جناب امام زین العابدین نے شہزادی کو ہوشیار کرنا چاہا تو دیکھا کہ روح اقدس مظلومہ، جسم مطہر سے مفارقت کر چکی ہے۔

مقاتل لکھتے ہیں کہ جناب سکینہ کے انتقال کی خبر سن کر یزید نے امام زین العابدین کے پاس کہلوایا کہ، اپنی بہن کے دفن کے لئے آپ کو جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے لیجئے، لیکن میت کو قیدخانے سے باہر نہ لایا جائے مگر امام عالیمقام نے جناب سکینہ کی وصیت کے مطابق یزید کا کوئی بھی احسان نہ لیا اور مظلوم و بیمار بھائی نے کانپتے

عــا مجالس متقین صــ ۶۵ از شہید ثالث علیہ الرحمہ

ہوئے ہاتھوں سے شہادت کی رات ہی کو اسی پھٹے ہوئے کرتے کے کفن میں، اپنی چھوٹی بہن کو ماں بہنوں اور پھوپھیوں کی نگاہوں کے سامنے اسی قیدخانے میں دفن کر دیا رات کے اندھیرے میں جس وقت سید الساجدین نے قبر تیار کی اور شہزادی کی میت کو سپرد خاک کرنے کی منزل آئی تو اس وقت قبر مبارک سے دو ہاتھ بلند ہوئے اور آواز آئی بیٹا سید سجاد، لاؤ میری امانت کو میرے سپرد کر دو۔ اس کے بعد صاحب خیرۃ النسواں لکھتے ہیں۔

"مصلحت سیاسی قطعاً اس کی متقاضی نہ تھی کہ خصوصاً اس شہزادی کے سانحہ انتقال در خرابہ شام بحالت اسیری کو یزید علی الاعلان اہل شام پر ظاہر کرتا کہ اس اعلان سے مکرر شورش کا اندیشہ تھا۔ پس بموجب ایمائے شقی حضرت سید سجاد نے خرابے (زندان شام) ہی کے ایک گوشے میں (زیر زمین نہر کے قریب) معصومہ ممدوحہ کو سپرد خاک فرمایا۔ پھر لکھتے ہیں۔

"اس کے بعد اہل شام کو علم ہوا کہ خرابہ شام (قیدخانے) میں جہاں اہل بیت ٹھیرائے گئے تھے کوئی چھوٹی سی تازہ قبر بنی ہے۔ جب اہل شام نے یزید پلید سے دریافت کیا تو سیاسی مصلحت سے اس نے اس واقعے کو اس جواب مجہول سے سبک کر دیا کہ " ھذا قبر بنت

من بنات علی ابن ابی طالب " یعنی یہ قبر بنات و اولاد علی ابن ابی طالب سے کسی دختر کی ہے۔ چنانچہ بیرون زندان سنگ مرمر پر رقیہ بنت امیرالمومنین علی کندہ ہے۔ حالانکہ زندان میں رقیہ بنت الحسین لکھا ہے دریافت نام پر اس شقی نے جواب دیا کہ صحیح نام کی اس کو تحقیق نہیں ہے رقیہ ہے یا زینب یا کوئی اور نام۔ اس طرح اصل اسم تو محجوب اور معاملہ رفع دفع تو ہوگیا لیکن افسوس حسین مظلوم کی جگر گوشہ اس پیاری بیٹی کا اصلی مدفن تا حد اسم اصلی پوشیدہ ہو کر اختلاف پیدا ہوگیا۔

(خیرۃ النسواں صفحہ ۳۶)

جیسا کہ ہم پہلے اشارتاً لکھ چکے ہیں کہ عبدالحلیم شرر نے اہل بیت رسول کے دشمنوں کی محبت میں، آل رسول سے اپنے دلی تعصب کا اظہار کرنے کے لئے، جناب سکینہ بنت الحسین کی ہم نام خاندان بنی امیہ کی ایک عورت سکینہ بنت الحسین بن علی بن عامر ابن الحکم) کے حالات کو خاندان رسالت کی اس مظلوم شہزادی سے منسوب کر کے ایک ناول لکھا (جسے ناصبیوں اور خارجیوں کے اشاعتی ادارے بار بار شائع کرتے رہتے ہیں) اور شہید کربلا حسین مظلوم کی چار سالہ شہید دختر کی فرضی زندگی اور متعدد عقد اور پر تعیش زندگی کے حالات (جو اصل

میں خاندان بنی امیہ کی سکینہ کے حالات ہیں) لکھ کر خاندان رسالت
کے کٹر دشمنوں، ناصبیوں اور خارجیوں کو خوش کرنے کی کوشش کی
اور چند روزہ دنیا کی واہ واہ اور تھوڑی سی دولت حاصل کر کے، قبر کے
اس تاریک گڑھے تک پہنچ گئے. جہاں یقیناً منتقم حقیقی کا کبھی نہ ختم
ہونے والا عذاب ان کے ساتھ ہے۔ ان ہی جھوٹی روایات کی بنا پر
واقعہ کربلا کے اصلی مجرم یزید کی پشیمانی اور اہل بیت رسول کے
ساتھ اس کے نیک سلوک کی جھوٹی داستانیں بھی لکھی گئیں۔ ان لغو
روایات کے متعلق صاحب سوانح زینب لکھتے ہیں۔

"یہ سب باتیں لغو و مہمل و موضوعہ ہیں۔ یزید کے اخلاق و
عادات، اس کے دین وایمان کی حالت معلوم ہوجانے کے بعد اس
سے رحم و کرم اور اہل بیت کے ساتھ حسن سلوک کی توقع نہیں
ہوسکتی۔ اگر یزید نے اہل بیت کو قتل کرنے کے بعد راہ ہدایت اختیار
کی ہوتی تو پھر مکے ومدینے کی تباہی (۶۳ و ۶۴ ھ) کے واقعات کیوں
پیش آتے۔ یزید کے حکم سے مدینے پر لشکر کشی کی گئی صحابہ اکرام کا
قتل عام، صحابہ زادیوں کی عصمت ریزی ہوئی مسجد نبوی میں
گھوڑے بندھوائے گئے اور خانہ کعبہ پر منجنیق کے ذریعے آگ برسائی
گئی۔ یزید کی حکومت کا قلیل زمانہ اسلام سوز کارروائیوں ہی میں گزرا اور

اپنے ان حرکات سے کسی وقت بھی وہ ایک لمحے کے لئے بھی پشیمان
اور تائب نہیں ہوا۔

(سوانح زینب ۲۳۵)

اب رہا یہ سوال کہ ایسی بے سروپا باتیں وروایتیں کیوں کتب
سیر و تاریخ میں داخل ہوگئیں، اس کے متعلق ابن حسن جارچوی کہتے
ہیں۔

"مسلمانوں کا شروع سے یہی حال ہے کہ وہ حکمراں جماعت کے
اعمال وافعال کے لئے "کتاب وسنت" سے کوئی نہ کوئی جواز نکال ہی
لیتے ہیں۔ بقول

ہر کفر کہ کہنہ شد، مسلمانی شد

کے بعد لکھتے ہیں۔

"چھپانے کی ہر ممکن کوشش کے باوجود معاویہ اور یزید ابن
معاویہ کی سیہ کاریاں طشت از بام ہوئے بغیر نہ رہیں۔ مدبرین اسلام
تاریخ کے ہر دور میں ان کی اسلام سوز حرکات پر ماتم کرتے چلے آئے
۔ علی اور اولاد علی کے فضائل روپیے کے لالچ سے تلوار کے خوف
طاقت اور سلطنت کے دباؤ سے مٹائے گئے۔ مگر آج بھی کتابیں
ان کے احصاء سے معذور ہیں اور زبانیں ان کے بیان سے عاجز ہیں۔

کیا قدرت کا یہ فیصلہ ایک تجسس پسند طبیعت کے لئے کافی نہیں ۔

"دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ سلطنت جس کے خوف سے قیصر روم کے قصر میں زلزلہ پڑ جاتا تھا ۔ جس کی ہیبت سے صنادید عجم (بادشاہان ایران) تھرانے لگتے تھے، چند سال کے اندر پاش پاش ہوگئی اور بنی امیہ کا گھر کا گھر ایسا برباد ہوا کہ کوئی نام لینے والا بھی نہ رہا ۔ دمشق کا وہ قصر ابیض (یزید کا محل) جس میں کافوری شمعیں جلا کرتی تھیں ۔ جو اندر کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا ۔ جہاں سلاطین عالم کے سر جھکتے تھے آج ویران ہے ۔ اور حسین کا وہ اجڑا ہوا بن (کربلا، سکینہ کا وہ مدفن یعنی ویران اور اندھیرا قید خانہ آج گلزار (اور بارونق) بنا ہوا ہے ۔ اور آج یہاں بڑی بڑی عظیم الشان بارگاہیں بنی ہوئی ہیں اور یہاں امیر و غریب اور بڑی بڑی سلطنتوں کے تاجدار و حکمراں، صبح و شام طواف کے لئے حاضر ہوتے ہیں ۔

جناب سکینہ اور آل رسول پر بعد شہادت بھی مظالم

تاریخ کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ بنی امیہ ابتداء ہی سے بنی ہاشم کے مخالف رہے ۔ اللہ کے آخری نبی اور تمام انبیاء و مرسلین کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی ہاشم کے خاندان میں پیدا ہوئے تھے اور بنی ہاشم کا یہ شرف بنی امیہ کو گوارا نہ تھا ۔ یہی دشمنی تھی کہ بنی امیہ نے دیگر دوسرے کافر سرداروں کے ساتھ ابتدائے اسلام میں اسلام اور بانی اسلام کو مٹا دینے کے لئے نمایاں کوششیں کیں اور اسی سلسلے میں ابوسفیان اور دوسرے سرکردہ کافروں نے خفیہ سازشیں بھی کیں اور علی الاعلان بدر و احد کے معرکوں میں فوجیں لے کر حملہ آور بھی ہوئے مگر ارادۂ الٰہی کے آگے ان بدبختوں کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں اور اسلام تیزی کے ساتھ ترقی کرتا چلا گیا ۔ جب اسلام کے خلاف بنی امیہ کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں تو مجبوراً ان لوگوں نے اسلام تو قبول کر لیا مگر دلوں سے اسلام اور بنی ہاشم کی دشمنی کو نہ بھلا سکے اور موقع کے منتظر رہے ۔ رسول خدا

کی زندگی میں تو اسلام کے خلاف ان کی ہر کوشش ناکام ہی ہوئی لیکن پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد انھیں پھر ایک مرتبہ اپنی کوششوں کو بروئے کار لانے کا موقع مل گیا - بنی ہاشم کے ساتھ بنی امیہ کی یہ شدید دشمنی اس منزل پر تھی کہ اپنے دشمن بنی ہاشم کو قتل کر دینے کے بعد بھی دشمنی کا یہ جذبہ کم نہ ہوتا تھا - حالانکہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ انسان ہوں یا جانور، اپنے دشمن کے مرنے کے بعد اس کی دشمنی سے ہاتھ اٹھا لیتے ہیں اور زندگی کی دوسری سرگرمیوں میں مصروف ہو جاتے ہیں - مگر یہ بنی امیہ جانوروں سے بھی بدتر تھے کہ ان کی دشمنی اپنے دشمن کے مرنے کے بعد بھی ختم نہ ہوتی تھی - احد کے میدان میں جب ابوسفیان کی زوجہ ہندہ کے انعام کے لالچ میں وحشی نے (جو نام ہی کا نہیں بلکہ فطرتاً بھی وحشی ہی تھا) رسول خدا کے چچا حضرت حمزہ کو چھپ کر دھوکے سے شہید کر دیا تو پہلے ابوسفیان حضرت حمزہ کی لاش پر آیا اور اپنے پیر سے آپ کے مردہ جسم کے ساتھ بے ادبی کرنے کے بعد آپ کے حلق پر نیزہ لگاتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا، اے حمزہ تم نے ہم سے دشمنی کا مزہ چکھ لیا - عرب کے ایک کافر سردار نے اسے مردے کے ساتھ اس ذلیل حرکت سے ٹوکا تو شرما کر وہاں سے آگے بڑھ گیا مگر اسی کی زوجہ ہندہ نے وہاں پہنچ کر حضرت حمزہ کے ناک اور

کان کاٹ کر گلے میں ہار کی طرح پہن لیے اور سینہ چاک کر کے کلیجہ چبانے لگی - اس کے بعد تاریخ کے صفحات پر ابوسفیان کا یہ عمل بھی نظر آتا ہے کہ جب خلافت بنی امیہ کے ایک فرد حضرت عثمان تک پہونچی تو بھی ابوسفیان امام حسین علیہ السلام کو حضرت حمزہ کی قبر کے قریب موجود دیکھ کر وہاں آتا ہے اور حضرت حمزہ اور دوسرے شہدائے احد کی قبروں کو مخاطب کر کے آواز دیتا ہے ----- "ہاشمیو آؤ اور دیکھو کہ حکومت کی گیند سے ہمارے بچے (بنی امیہ) کھیل رہے ہیں - جس حکومت کے لیے تم میں اور ہم میں جنگ ہوئی تھی وہ حکومت اور خلافت آج پھر ہمارے خاندان میں لوٹ آئی ہے" - ابن حسن جارچوی لکھتے ہیں -

"جب تک تسلط حاصل نہ ہوا تھا یہ لوگ اسلام کا زبانی دعوی کرتے رہے اور جب قوت اور حکومت نے اسلام کی مدد سے بے نیاز کر دیا تو دلوں کی بات زبان پر آگئی - بقول ایک انگریز مصنف ڈزی (DEZEY) کے "اس دشمن اسلام گروہ بنی امیہ کو اس وقت تک چین نہ آیا جب تک کہ اس نے حرمین شریفین (مکے اور مدینے) کو محکوم اور رسول کی مسجد کو اصطبل نہ بنا لیا اور ابتدائی مسلمانوں (صحابہ کرام) کی اولاد کی بے حرمتی نہ کر لی - بنی امیہ کا سارا عہد اسلام کے

خلاف جاہلیت کا ردِ عمل تھا اور کچھ بھی نہ تھا - ایک (حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ) کو چھوڑ کر باقی سارے کے سارے اموی خلفاء یا تو مذہب کی طرف سے بے پروا تھے یا منافق تھے -" (فلسفہ آل محمد ص ۲۲۴)

آغا محمد سلطان مرزا لکھتے ہیں - "جو لوگ عربوں کی تاریخ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان کی ساری تاریخ کینہ و حسد کی ایک طویل داستان ہے - اکبر شاہ نجیب آبادی اپنی تاریخ اسلام جلد اول کے صفحہ ۴۲ پر لکھتے ہیں - "عربوں کے کینے کی یہ حالت تھی کہ اگر کبھی (ان کے کسی عزیز کے) قاتل یا دشمن پر اس کی زندگی میں دسترس حاصل نہ ہو سکتی تو (اس کی موت کے بعد) اس کے ناکردہ گناہ بیٹوں، پوتوں اور رشتے داروں سے بدلہ لیتے تھے - اور اگر (مدتیں گزر جانے کے بعد) سبب عداوت یاد نہ بھی رہے تو عداوت پھر بھی یاد رہتی تھی -"

(البلاغ المبین حصہ دوم صفحہ ۲)

اور فطرت انسانی کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ صرف برائی کی بناء پر ہی دشمنی نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات انسان دوسروں کی اچھائیوں اور خوبیوں کی وجہ سے رشک و حسد کی بناء پر بھی دشمنی کرتا ہے - حضرت علی ابن ابی طالبؑ اور آپ کی ذریت طاہرہ کے معاملے میں یہ دونوں قسم کے دشمن سامنے آتے ہیں - بنی امیہ کو اسلام کی

حفاظت میں چلنے والی علیؑ کی تلوار اور علیؑ و اولاد علیؑ کے مخصوص فضائل کی مار پڑی تو بنی عباس کو دست قدرت سے علیؑ اور اولاد علیؑ کو ملنے والی خاص فضیلتوں کی مار پڑی اور وہ حسد کی وجہ سے آل رسول کے دشمن ہوگئے - بعد رسول حکومت اسلامیہ پر قابض ہو جانے والے بنی امیہ ہوں یا بنی عباس، دونوں ہی اہلبیت رسول سے دشمنی رکھتے تھے - بنی امیہ کے خاندان میں سے یزید نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد بھی آپ سے دشمنی ختم نہیں کی - لاش اقدس پر گھوڑے دوڑا دیئے - بھرے دربار میں لب و دندان مبارک پر چھڑی سے ضربیں لگائیں - اور آپ کی شہادت کے بعد آپ کے گھر والوں کو تکلیفیں پہونچائیں - اسی طرح خاندان بنی عباس کے ہر بادشاہ نے اولاد رسول میں سے تمام سادات بنی ہاشم اور ہر امام سے دشمنی کی اور ہر امام کو شہید کیا - خاندان بنی عباس سے متوکل ملعون کا بغض و کینہ بھی قابل ذکر ہے - اس ظالم کے دل میں اہلبیت رسول کی دشمنی اس منزل پر تھی کہ امام علی النقی علیہ السلام کو زندگی بھر تکلیفیں دیتا رہا اور امام حسین علیہ السلام کے متعلق اسی متوکل نے یہ شعر کہے ہیں -

"کاش کربلا کے میدان میں حسینؑ سے جنگ کے وقت میں بھی

وہاں موجود ہوتا تو حسینؑ پر دو تیر میں بھی چلاتا" ۔

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ ۲۳۶ھ میں متوکل نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک اور ان قبروں کو جو اس کے ارد گرد واقع تھیں، گرا دینے کا حکم دے کر وہاں کاشتکاری کرنے کو کہا اور لوگوں کو قبر حسینؑ کی زیارت سے منع کر دیا۔ (اس کے آدمیوں سے مقابر کو پوری طرح سے مٹا دینے کی جرأت تو نہ ہو سکی لیکن زائرین کی آمد و رفت موقوف ہو گئی) متوکل کی اس حرکت کی وجہ سے لوگوں کو بہت صدمہ پہونچا اور عوام نے اسے ناصبی اور خارجی کا لقب دے دیا اور اہل بغداد نے دیواروں اور مسجدوں پر متوکل کے خلاف سب و شتم لکھ کر چسپاں کر دیا۔ شعراء نے اس کی ہجو میں نظمیں لکھیں۔ چنانچہ منجملہ ان کے ایک نظم یہ بھی تھی۔

" واللہ بنی امیہ نے پیدا ہو کر نبی (صلعم) کے نواسے کو قتل کر دیا۔ اب اس کے بعد ایک اور بنی امیہ پیدا ہو گیا ہے اور اس نے آپ (امام حسینؑ) کی قبر اکھاڑنے کا حکم دیا ہے۔ اسے (متوکل کو) رنج و افسوس ہے کہ وہ ان (امام حسینؑ) کے قتل میں کیوں شریک نہیں تھا

(تاریخ الخلفاء ص ۳۱۹)

"۲۴۴ھ میں متوکل نے یعقوب ابن سکیت امام عربیہ (ماہر زبان عربی) کو جو اس کے بیٹوں کا استاد تھا مروا دیا۔ خطا یہ تھی کہ ایک روز متوکل نے اپنے لڑکوں معتز اور موئد کو دیکھ کر ابن سکیت سے دریافت کیا کہ تمہارے نزدیک میرے یہ دونوں لڑکے اچھے اور محبوب ہیں یا رسول اللہ کے نواسے حسنؑ و حسینؑ۔ یعقوب ابن سکیت نے جواب دیا۔ " معتز و موئد سے تو حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) کے غلام قنبر ہی بہتر ہیں۔ چہ جائیکہ حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ سے ان کا مقابلہ کیا جائے۔ یہ سن کر اس نے چند ترکوں کو حکم دیا کہ اسے (یعقوب کو) چت لٹا کر اس کے پیٹ پر اس وقت تک کودو جب تک کہ یہ مر نہ جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس جواب کو سن کر اس نے ان کی زبان تالو سے کھنچوائی اور وہ مر گئے۔" (تاریخ الخلفاء ص ۳۲۱)

ان تمام بدکرداریوں کے باوجود اس فاسق و فاجر حکمراں متوکل کو خوشامدی اور دشمنان اہلبیت مورخوں نے عمر بھر کی دشمنی اہلبیت کے صلے میں جنت میں بھی پہنچا دیا۔ اسی تاریخ الخلفاء میں ہے۔

" متوکل کی موت کے بعد کسی نے اسے خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ خداوند تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اس نے کہا کہ جو میں نے کچھ دنوں کے لیے تھوڑی سی احیاء سنت کی تھی (سنت

رسول کی تعلیم کی کوشش کی تھی) اس کے صلے میں خداوند تعالیٰ نے مجھے بخش دیا"۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۲۳)

اسی طرح مولانا ابوالکلام آزاد اپنے ایک مضمون میں بنی امیہ کی ختم ہوتی ہوئی سلطنت کو اپنے بے پناہ ظلم و جبر کے ذریعے مضبوط کرنے والے حجاج ابن یوسف ثقفی کے متعلق لکھتے ہیں۔

"اگر دنیا کی ہر قوم کے سب سے بڑے ظالم کو لایا جائے اور ساری دنیا کے ظالموں کے مشترکہ ظلموں کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور اکیلے حجاج ابن یوسف ثقفی کے مظالم کو ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو تنہا حجاج کے مظالم ساری دنیا کے ظالموں کے مشترکہ مظالم سے بڑھ کر نکلیں گے"۔ اپنی دوسری کتاب میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ حجاج نے میدان جنگ کی لڑائیوں کے علاوہ حالت امن میں ایک لاکھ پچیس ہزار سے زیادہ مسلمانوں کو قتل کیا ہے یہ اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سے لرزہ خیز مظالم کو گنانے کے بعد آخر میں اس کی موت کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "آخر جب موت کا وقت آیا اور اسے اپنی موت کا یقین ہوگیا تو اس پر گریہ کی کیفیت طاری ہوئی اور اس نے آخر وقت میں کہا۔ "الہی مجھے بخش دے کیونکہ لوگ کہتے ہیں تو مجھے نہیں بخشے گا۔ الہی انسانوں نے مجھے ناامید

کر ڈالا حالانکہ میں تجھ سے بڑی ہی امید رکھتا ہوں"۔

جب حسن بصری سے حجاج کا یہ قول بیان کیا گیا تو وہ پہلے تو متعجب ہوئے کہ کیا واقعی اس نے یہ کہا۔ کہا گیا ہاں اس نے ایسا ہی کہا ہے۔ فرمایا تو شاید! یعنی اب شاید بخش دیا جائے۔"

(از ابوالکلام آزاد ۔ انسانیت موت کے دروازے پر ص ۱۴۵)

یہ تو خاندان رسالت کے بدترین دشمن کو اس کی عمر بھر کی سیاہ کاریوں اور دشمنی آل رسول کا صلہ تھا جو زر کے بندوں اور حرص و ہوس کے مارے مورخوں نے حجاج جیسے جہنمی کی نجات آخرت کی تمنا کی صورت میں ظاہر کیا۔ لیکن یہی بنی امیہ کے خوشامد خورے، دشمنان خاندان رسالت مورخین و محدثین ہیں جنہوں نے رسول خدا کے چچا حضرت ابوطالب، محسن اسلام و محسن بانیٔ اسلام کو حفاظت اسلام کے سلسلے میں آپ کی کم و بیش چالیس برس کی فداکارانہ خدمتوں اور جانثاریوں کا یہ صلہ دیا کہ وہ آپ کو (معاذاللہ) کافر لکھتے ہیں۔ حالانکہ تاریخ طبری، تاریخ کامل اور تاریخ ابوالفدا کے علاوہ تاریخ و حدیث کی تقریباً سب ہی کتابوں میں حضرت ابوطالب کی کم و بیش چالیس برس تک حفاظت پیغمبر اسلام کے سلسلے میں آپ کی مختلف مشقتوں اور جانثاریوں کو بیان کرنے کے بعد آپ کے یہ اشعار

بھی درج کئے ہیں۔

"اے محمد، تم نے مجھے دین اسلام کی طرف بلایا اور میں نے سمجھ لیا کہ درحقیقت تم صادق القول راست باز اور امانت دار ہو۔ اور بے شک مجھے یقین ہوگیا ہے کہ دین محمدی تمام دنیا کے دینوں سے بہتر ہے۔ خدا کی قسم جب تک میں زندہ ہوں قریش میں سے کوئی شخص بھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے۔" (تاریخ احمدی، بحوالہ تاریخ ابوالفدا ص ۲۰)

مگر ایسی ایسی درجنوں تاریخی شہادتوں کے بعد بھی (بغض علی کی وجہ سے) دشمنان خاندان رسالت سواد اعظم کے علماء و مورخین حضرت ابوطالب کے محسن اسلام ہونے کو تو کجا، آپ کے قبول اسلام کے بھی قائل نہیں۔ اس تمام تفصیل کے ذریعے ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ دنیا کی تمام قوموں میں صرف مسلمانوں ہی کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ اپنے نبی کا کلمہ بھی پڑھتے ہیں اور نبی اکرم کے چہیتوں کے قاتلوں اور دشمنوں کی دوستی اور محبت کو بھی داخل ایمان سمجھتے ہیں۔ حالانکہ دنیا کا مشہور اور مسلمہ مسئلہ ہے کہ دوست کا دشمن اپنا دشمن ہوتا ہے لیکن صرف نبی اور آل نبی کے باب میں مسلمانوں کی اکثریت اس کلیے کو بھی ماننے کے لیے تیار نہیں۔ انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ اپنی دشمنی نکالنے کے لیے دو طریقے اختیار کرتا ہے۔ ایک تو

جسمانی طور پر آزار پہنچانا (بلکہ اس کوشش میں اپنے دشمن کی زندگی ہی کو ختم کر دینا) اور دوسرے اپنے دشمن کی نیک نامی کو متاثر کرنے کے لیے فرضی داستانوں اور الزام تراشیوں کے ذریعے اپنے دشمن کے اچھے اخلاق کو بھی برے ثابت کرنا۔ بنی امیہ اور ان کے ہوا خواہوں کے پروپیگنڈے کے زیر اثر اہلبیت رسول سے دشمنی رکھنے والوں نے ہر دور میں آل رسول سے دشمنی نکالنے کے یہ دونوں طریقے اختیار کئے اور ج بھی اس پر عمل پیرا ہیں۔ اہلبیت رسول کو تلوار، زہر اور آگ کے ریعے اور قید و بند کی تکلیفوں کے ذریعے جسمانی آزار پہنچانے اور قتل رنے کے واقعات میں سے نمونتاً کچھ واقعات کا ذکر تو ہم نے کر دیا اور وحانی تکلیف پہنچانے کے لیے زبان و قلم کے ذریعے آل رسول کی وہین و منقصت کی جو کوششیں ہر دور میں ہوتی رہیں، ایسی ہی کوششوں کے بارے میں مولوی محمد حسین جعفری لکھتے ہیں۔

"سلاطین بنی امیہ اور بنی عباس کے دور حکومت میں اس بات کی منظم کوششیں کی گئیں کہ ائمہ معصومین، اہلبیت طاہرین کے حالات اور واقعات فضائل و مناقب کو مخفی کیا جائے اور دنیا سے مٹا دیا جائے۔ (اس سلسلے میں) ہزاروں ایسی حدیثیں وضع کی گئیں کہ جن سے ان مقدس ہستیوں کے حقیقی حالات پر پردہ پڑ جائے اور

صرف ایسے ہی حالات اور واقعات بیان کئے جائیں جن سے ان کی توہین اور منقصت ہو۔ اس پروپیگنڈے کا نتیجہ یہ ہوا کہ انواع و اقسام کی بے بنیاد لغو روایتیں وجود میں آئیں اور مورخین نے بلا غور و فکر و بلا تفتیش ان روایتوں کو اپنی کتابوں میں لکھ دیا اور بتدریج ایسی بعض روایتیں شیعہ مورخین و مصنفین کی کتابوں میں بھی داخل ہو گئیں۔ اب باخبر علماء و مبصرین کا فرض ہے کہ تحقیق و تنقید کے ذریعے حقایق پر روشنی ڈالیں اور عامۃ المسلمین و مومنین کو گمراہی سے بچائیں

(سوانح زینب ص ۲۳۵)

ایسی ہی بے بنیاد اور جھوٹے قصے کہانیوں کی کتاب "اغانی" کے حوالے سے عبدالحلیم شرر لکھنوی نے ۱۳۱۵ھ میں اپنا ناول "سکینہ بنت حسین" لکھا اور اس کتاب میں جناب سکینہ سے منسوب کر کے بہت سے جھوٹے قصے آپ کی ارفع و اعلیٰ شان کے خلاف لکھے۔ جس کا شافی و کافی جواب اسی وقت بہت سے علمائے اہلسنت و علمائے شیعہ نے اپنی اپنی کتابوں کے ذریعے لکھا اور ذہنوں کو گمراہ ہونے سے بچایا۔ عبدالحلیم شرر نے ابوالفرج اصفہانی کی جس کتاب "الاغانی" کی بنیاد پر یہ ناول تحریر کیا اس مشہور دروغگو ابوالفرج کے متعلق علامہ ابن حجر مکی نے لکھا "اکذب الناس" (انسانوں میں کا سب سے بڑا جھوٹا)۔

اس کے بعد لکھتے ہیں۔ "کوئی شخص اس کتاب (اغانی) کو نہ فن حدیث میں داخل جانتا ہے نہ فن رجال میں نہ فن تاریخ میں۔ بلکہ ایک تفریح و مذاق کی ایک طولانی کتاب ہے جس میں صرف راگ راگنی سے بحث ہے اور ضمناً واہی حکایتیں بھی لکھتا ہے۔ مگر چونکہ اس زمانے کے مطابق اس نے ہر قصے کی ابتدا ایک سلسلہ وار اسناد سے کی ہے، جس سے اس زمانے کے کندہ ناتراش جہال اس کو قابل وقعت سمجھتے ہیں"۔ (بحوالہ جواب شرر ص ۲۶۲)

حضرت سکینہ کے تعلق سے کتاب اغانی میں جس راوی زبیر ابن بکار کی سند سے واقعات بیان کئے گئے ہیں اس کے متعلق عالم اہلسنت، صاحب میزان، علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔ "کہا احمد ابن علی السلیمانی نے کہ اس کا (زبیر ابن بکار کا) شمار ان لوگوں میں ہے جو وضع حدیثیں بنایا کرتے تھے"۔ (ص ۱۳۸)

اس زبیر ابن بکار نے اس لیے جناب سکینہ کے تعلق سے جھوٹے واقعات وضع کئے کہ یہ زبیر ابن العوام کے فرزند، عبداللہ ابن زبیر کا پوتا ہے جن کی اہلبیت سے دشمنی مشہور ہے۔ اس نے یہ جھوٹی روایت گڑھی کہ جناب سکینہ واقعہ کربلا کے بعد قید سے چھوٹ کر واپس مدینہ آئیں اور (معاذاللہ) طریقہ اہلبیت کے خلاف مزید چھپن

برس عیش و آرام کی زندگی گزارنے کے بعد مدینے ہی میں ۱۱۷ھ میں انتقال فرمایا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جناب سکینہ کی ہمنام خاندان بنی امیہ کی ایک عورت سکینہ بنت حسین بن علی بن عامر کا ذکر تو ہم نے پچھلے صفحات میں کردیاہے۔ اس کے علاوہ بھی علم حدیث، تاریخ اور رجال کی کتابوں میں ایک اور سکینہ بنت مصعب ابن زبیر کا تذکرہ بھی ملتاہے اور اس کے ساتھ ہی ایک تیسری سکینہ، سکینہ بنت خالد بن مصعب کا ذکر بھی موجود ہے۔ ان میں سے کوئی سکینہ مصر میں تھی کوئی شام میں اور کوئی مدینے میں۔ ناموں کی اس یکسانیت کی وجہ سے اس دشمن اہلبیت راوی زبیر ابن بکار نے ان عورتوں کے واقعات بھی جناب سکینہ بنت الحسینؑ سے منسوب کردیئے مگر ان تمام بیہودہ روایتوں کی تردید میں ہم ایک واقعہ ضرور پیش کرنا چاہیں گے جو آج سے تقریباً دو سو برس پہلے ۱۲۲۵ھ میں پیش آیا۔ علامہ آقائے علی کاظمینی اپنے زمانے میں ایک مشہور عالم گزرے ہیں۔ ان کی کتاب لسان الواعظین میں یہ واقعہ سراج غم جلد دوم صفحہ ۲۲۵ کے حوالے سے ملتاہے جو ان تمام جھوٹی روایات کی تردید کے لیے کافی ہے جن میں حضرت سکینہ کا واقعہ کربلا کے بعد قید سے چھوٹ کر واپس مدینہ آنے کا ذکر ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"جب شہزادی سکینہ نے زندان شام میں قضا کی تو حضرت سیدالساجدینؑ نے معصومہ و مظلومہ کی وصیت کے بموجب اسی قیدخانے میں مقام نشیب و سرد میں دفن فرمایا۔ ۱۲۲۵ھ میں اس قبر مطہر سے متعلق ایک عجیب واقعہ گزرا۔ سید مرتضیٰ الملقب جنت ماوا ایک بزرگ سید، مقدس عالم شہر شام میں مقیم تھے۔ انھوں نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ حضرت شہزادی سکینہ مظلومہ تشریف لائی ہیں اور ارشاد فرمایا کہ میری قبر کے متصل نہر کا پانی اس قدر آگیا ہے کہ اندیشہ ہے میری قبر کو نقصان نہ پہونچ جائے۔ اس لیے حاکم شہر کو ہدایت کی گئی ہے۔ وہ کل مرمت قبر کے لیے جائے گا۔ پس تجھ پر لازم ہے کہ تو بھی میری قبر پر حاضر ہو اور اپنے ہاتھوں پر میت کو اٹھالے۔ جب قبر درست ہوجائے تو مجھے دوبارہ خاک پر لٹادینا۔ چنانچہ عالم موصوف خواب سے چونک پڑے۔ صبح ہوچکی تھی۔ کسی نے دق الباب کیا۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ ملازم حاکم، بغرض طلبی آیاہے جب عالم موصوف حاکم کے پاس گئے تو حاکم نے بھی ایسے ہی خواب کا ذکر کیا کہ اسے ہدایت ہوئی ہے کہ سوائے سید مرتضیٰ کے کوئی اور جسد مبارک معصومہ کو ہاتھ نہ لگائے پس ہر دو مل کر شہزادی ممدوحہ کی قبر پر حاضر ہوئے اور قبر کھولی گئی۔ عالم موصوف (سید مرتضیٰ) بہ قسم شرعی

بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے دیکھا۔ وہی پھٹا ہوا کرتا زیب بدن ہے رخساروں پر طمانچوں کے نشان اب تک موجود ہیں اور بازو و کلائیوں پر داغ رسن نمایاں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہزادی نے آج ہی قضا کی ہے اور دفن ہوئی ہیں۔ عالم موصوف اس حال پر ملال کو دیکھ کر بہت روئے اور بعد ضبط گریہ ننھی سی لاش کو ہاتھوں پر اٹھا کر پس پردہ بیٹھ گئے۔ جب وہ چھوٹی سی قبر درست ہو چکی تو حسینؑ ابن علی کی اس امانت کو دوبارہ سپرد خاک فرمادیا۔ (سراج غم ص ۲۲۵)

مولوی ولایت حسین نقوی صاحب قبلہ اس روایت کو لکھنے کے بعد عامتہ المسلمین کی ذہنیت پر تاسف کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہ روایت گو علماء کرام اور خود سید مرتضیٰ جنت ماوا کے پوتے سے پہنچی ہے مگر افسوس کہ اس کے باور کرنے میں ہما و شما کو تامل ہو اور غیر معتبر قرار پائے (لیکن) اس کے برعکس جن مکروہ و واہی روایات کا ماخذ اصلی کتب معاندین (دشمنان) اہلبیت یا تواریخ عامہ ہوں، ان کو بلا چوں و چرا قبول کر لیا جائے۔ اس روایت سے درایتاً شہزادی ممدوحہ (حضرت سکینہؑ) کی کمسنی، شام میں انتقال، زندان شام میں دفن ہونا، حتیٰ کہ وقت انتقال کی ہیئت کذائی تک ہر طرح

نمایاں و ثابت ہے۔ زندان شام میں قبر مطہر سے متصل زمین دوز نہر اب تک موجود ہے۔ (خیرۃ النسواں ص ۳۳)

حضرت سکینہ بنت الحسینؑ سے منسوب کرکے جو لغو باتیں بیان کی گئی ہیں اور ہر سال ماہ محرم میں امام حسین کے متعلق اور روز عاشورا (دسویں محرم) کو روز مسرت قرار دینے کے متعلق جو پمفلٹ اور کتابیں تقسیم کی جاتی ہیں اور مسجدوں میں بعد نماز جس قسم کی تقریریں کی جاتی ہیں ان کو دیکھ کر یہی احساس ہوتا ہے کہ اولاد رسول سے آج بھی بدر و احد کا بدلہ لینے کی کوششیں جاری ہیں۔

جن خوش نصیبوں کو شہر شام میں حضرت سکینہ بنت الحسین کے روضے کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے ان میں سے اکثر زائرین یہی لکھتے ہیں کہ اس معصوم شہزادی کے مرقد منور پر ہمیشہ ایسی اداسی برستی ہے کہ بے اختیار دل بھر آتا ہے۔ ہم نے یہاں جسے دیکھا سے روتا ہوا ہی پایا۔

رضا مہدی

۷/جنوری ۱۹۹۷ء مطابق ۲۷/شعبان ۱۴۱۷ھ

گزارش

ان تمام محبان حیدر کرارؑ کے لئے جواب تک اس دنیائے فانی سے کوچ کر چکے ہیں اور جملہ مومنین و مومنات کے بعد مولانا مرزا مہدی حسین ذاکر اعلیٰ اللہ مقامہ و سید رضا مصطفےٰ علی رضوی مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے سورۂ فاتحہ کی گزارش کی جاتی ہے۔

مولف کی دیگر کتابیں

(۱) اُصولیت اور اخباریت حقیقت کے آئینے میں

(۲) اُصولِ کافی کی منتخب دعائیں

(۳) اخباریت کا تحقیقی جائزہ (زیرِ طبع)

(۴) کتاب الایمان والکفر، اِنتخاب اُصول کافی (زیرِ طبع)

(۵) امر بالمعروف و نہی عن المنکر

(۶) پیاس کا مدفن

HUSSAINI PUBLICATIONS
HUSSAINI MISSION
Hyderabad.
22-2-21, Dabir Pura, Hyderabad-500 024. AP